معرفت کے موتی

حصّۂ اوّل

پس منظر

امامِ عالیمقامؑ کے روحانی اور عرفانی معجزات

علّامہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی

معرفت کے موتی

(حصۂ اوّل)

(پس منظر)

امامِ عالیمقام کے روحانی اور عرفانی معجزات

یکے از تصنیفات

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

ریسرچ ایسوسی ایٹ یونیورسٹی آف مونٹریال

کنیڈا

خانۂ حکمت اِدارۂ عارف

۳۔ اے نوروِلا ۔ ۲۶۹ گارڈن ویسٹ کراچی ۳۰ ۔ (پاکستان)

رابعۂ زمان

ہماری محفلِ ذکر و مناجات کی نظر میں رابعۂ وقت (رابعہ امین)، بیحد عزیز اور قابلِ تعظیم ہیں، اہلِ مجلس کے تصوّر میں ایک فرشتہ بصورتِ انسان؛ ان کے خاندان کا ہر فرد اوصافِ دینداری سے آراستہ، رابعہ کی خاموش گریہ وزاری کے یہ برستے ہوئے گوہر آبدار عشقِ الٰہی کے بحرِ گوہر زا کی بشارت دے رہے ہیں؛ سبحان اللہ، معجزۂ محویّت کی کیا شان ہے! عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ خدا کی خدائی میں شرافت و ایمان کے کیسے کیسے نمونے پائے جاتے ہیں!

فہرستِ مضامین

شمار	مضمون	صفحہ
۱	تعارف	۴
۲	مجھ سے پوچھا گیا	۱۱
۳	عبادت میں کامیابی	۱۹
۴	اصل میں واصل	۳۰
۵	یک حقیقت	۳۸
۶	ذرّۂ خُدا	۴۶
۷	قصّۂ آدم	۵۲
۸	مومن اور اس کے اہل و عیال	۶۳
۹	تحفۂ تقدیر و تشکّر	۶۷

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

تعارف

اِس موقعِ عبودیت پر ہمیں سب سے پہلے دل کی گہرائی میں یہ سوچنا ہے کہ پروردگارِ عالمین کی ہمہ گونہ رُوحانی نعمتوں اور تائید و توفیق کی شکرگذاری کس طرح ادا کی جائے، مگر ہماری ناچیز عقل و فکر اِس خاص اور مُشکل امر میں خداوندِ قدّوس کی یاری و دستگیری کے بغیر کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتی ہے، لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہر وقت اور ہر مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی طرف رجُوع کریں تاکہ وہ ذاتِ واحد اپنے نورِ ہدایت سے، جو ظاہر و باطن میں موجُود و حاضر ہے، ہماری رہنمائی فرمائے آمین! یا ربّ العٰلمین!!

یہ بندۂ خاکسار جان و دِل کی صداقت سے اپنے تمام عزیزوں اور دوستوں کو اِس عظیم شکرگذاری میں مکمّل شرکت کی دعوت دیتا ہے، کہ ہم سب بہت سے معنوں میں ایک جان کی طرح ہیں اور اِس گرانقدر نعمت کے حصُول کے لئے سب نے نیک دُعائیں اور کوششیں کی ہیں، کیونکہ الحمدُ لِلّٰہ، خُدا و رسُولؐ اور صاحبِ امرؑ کی اطاعت کے دوران ہم یہ حقیقت جان چکے ہیں کہ سب

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

لوگ بحدِ قوت ایک ہیں مگر مومنین بحدِ فعل ایک ہیں۔

کتابِ ہذا جو "معرفت کے موتی" کے نام سے ہے، چند اعلیٰ اور گرانقدر مضامین پر مشتمل ہے، ہم جہاں اپنی ہستی کو خاکسار اور ناچیز وغیرہ کہتے ہیں پھر بھی اس میں اظہارِ عاجزی کم ہے، اور دوسری طرف جہاں علم و معرفت کی تعریف کرتے ہیں اور اس کو گوہر گرانمایہ سے تشبیہہ دیتے ہیں وہاں بھی بڑی کمی ہے، کیونکہ علم و عرفان کسی شخص کی ملکیت نہیں، وہ صرف اور صرف امام اقدس و اطہر صلوات اللہ علیہ ہی کی ملکیت ہے، جو کائنات بھر کے مادّی خزانوں سے بیش بہا ہے۔

اِس کتاب میں جتنے بھی بظاہر غیر مربوط مضامین ہیں، اِن میں معرفت کا رنگ نمایاں ہے اور وہ معرفت ہی کی سطح پر منظم و مربوط ہیں، لہٰذا اِس مجموعے کو "معرفت کے موتی" کہنا بالکل صحیح ہے کیونکہ رُوحانیت اور معرفت ایک ایسی حکمت آگین روشنی کا نام ہے، جس میں تمام حقیقتیں باہم ملی ہوئی نظر آتی ہیں، جیسے قرآنِ مقدس کی کئی آیات میں یہ مفہوم رکھا ہوا ہے کہ قرآن کی جُدا جُدا اور مختلف مثالیں سب کی سب ایک ہی حقیقت کی طرف لوٹ جاتی ہیں، جیسے اشارۃً قرآن کے مطابق شہد کی مکھی کو بحکمِ خُدا ہر طرف راستہ ہی راستہ ہے کہ وہ جس طرح بھی چاہے اور جہاں

سے چاہے اپنی پرواز سے ہر پھول کا راستہ دوسرے پھول سے ملا دے، اور اسی طرح مختلف رنگ کے جدا جدا پھولوں کے رس سے ایک ہی رنگ کا شہد بناتے، پس ظاہری شہد کی یہ مثال باطنی شہد کے لئے ہے، اور وہ علم و حکمت ہے، جس کا رنگ اور ذائقہ ایک ہے۔

رُوحانی شہد بہت سی رُوحوں کے جمع ہو کر کام کرنے سے بن سکتا ہے، قانونِ فطرت میں یہ ممکن نہیں کہ جو سردار مکھی ہے وہی اکیلی شہد بناتے، بلکہ اِس کے لئے کام کرنے والی بہت سی مکھیاں ہوا کرتی ہیں، چنانچہ کوئی شک نہیں کہ ہم سب رُوحانی احباب جو اِس علمی خدمت میں شریک ہیں، ورکرز ہیں اور اِس کام کا بادشاہ امام زمانؑ ہیں، سو جو مومنین جسمانی طور پر اپنے امامؑ کی پُرخلوص علمی غلامی کرتے ہیں، انکی ارواح رُوحانیت کے باغ و چمن میں امیر النحل (امام) کی ورکرز کی حیثیت سے رُوحانی شہد کے کام میں مصروف ہیں۔

بندۂ ناتوان و غریب اپنے تیسرے دورۂ کینیڈا سے بھی بڑا مطمئن اور شکر گزار ہے، اور اس عاجز درویش کی ناتوانی اور غریبی اِس معنیٰ میں ہے کہ ناچاری کی وجہ سے اِس کا سارا علمی کام ظاہراً و باطناً مولا اور اس کے لشکر کر دیتے ہیں، ورنہ خُدا کی قسم یہ خود علم میں بڑا غریب شخص ہے، بہرکیف خاکسار کے اِس سفر کے دوران

علمی خدمت کے سلسلے میں ایک ساتھ کئی اہم کام انجام پاتے ہیں، مثلاً مونٹریال یونیورسٹی کے ادارۂ لسانیات میں بُرشسکی زبان پر ریسرچ ایسوسی ایٹ کی حیثیت میں کام کرنا، پروفیسروں کے ساتھ بُرشسکی کہاوتوں کی کتاب میں شرکت کرنا، ایک ساتھ بُرشسکی گریمر اور لغات کے کام کو آگے بڑھانا، بُرشسکی کورس کو آگے لے جانا اور اُن جوانوں کو تربیت دینا، جو بُرشسکی لٹریچر بنانے کی تیاری کر رہے ہیں، سابقہ معمول کے مطابق علمی طور پر خط و کتابت جاری رکھنا، اور مقامی طور پر علمی مجالس کو قائم رکھنا۔

اِس عاجز درویش کے لئے لشکرِ مولا سب سے پہلے "خانۂ حکمت" اور ادارۂ "عارف" کے عملداران و ممبران ہیں، اُنہوں نے توفیقِ خُداوندی سے مجھے ہر طرح سے ہمّت دی، اور بڑی حوصلہ مندی سے کام کو آگے بڑھایا، کوئی شک نہیں کہ وہ میرے لئے فرشتگانِ رحمت ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی پُرحکمت عادت ہے کہ وہ جس کو نیک کاموں میں کامیاب بنانا چاہتا ہے، اِس کو اچھے اچھے دوست عنایت کر دیتا ہے، اور جس کو ناکام و نامُراد بنا دینا چاہتا ہے، اِس کو بُرے دوستوں سے وابستہ کر دیتا ہے، یہ قدرت کا ایک عجیب و غریب تماشا ہے۔

جو حضرات اِس کتاب کا مطالعہ کریں گے، اُنکو میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے، کہ وہ نہ صرف اِسی کتاب کو پڑھیں، بلکہ بقدرِ امکان میری دُوسری کتابوں کو بھی پیشِ نظر رکھیں، تاکہ حقیقتیں زیادہ سے زیادہ روشن ہوسکیں، کیونکہ اکثر کسی مصنّف کے خیالات کو یا اُس کے پیش کردہ علم کو سمجھنے کے لئے اُس کی تمام تصانیف کو پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آج کی علمی اور سائنسی ترقّی کی دُنیا میں جب کسی مصنّف کی ایک کتاب پر ریسرچ کی جاتی ہے، تو اِس کام کو زیادہ آسان، واضح اور مضبوط بنانے کے لئے اُس مصنّف کی دُوسری تمام کتابوں کا بھی محققانہ مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اِس کتاب میں اکثر ایسی علمی یا رُوحانی باتیں ہیں، جن کو انقلابی علم کا درجہ دیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ باتیں خاندانِ رسُولؐ، یعنی امامِ زمانؑ کے رُوحانی خزانے سے ہیں، اور دُنیا میں امام کے موجُود و حاضر ہونے کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو اہلیّت رکھتے ہیں ایک ایسا علم عنایت کرے، جو زمانے میں کسی کے پاس نہیں ہے، چُنانچہ یہی علمِ رُوحانی ہے، جو امام عالیمقام کا علمی معجزہ کہلاتا ہے، جس کی وجہ سے امام دُوسروں سے منفرد و ممتاز ہوجاتا ہے، چُنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ کا ترجمہ ملاحظہ ہو :-

اور ایسی کوئی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے ہی پاس موجود نہ ہوں۔
(۱۵/۲۱)

اِن خزانوں سے درجاتِ امامتِ عالیہ مُراد ہیں، جیساکہ دُوسری مثال میں فرمایا گیا ہے کہ: اور ہم نے ہر چیز (بصورتِ علمِ لطیف) امامِ مبین میں گھیر کر رکھی ہے (۳۶/۱۲)

اِس فرمانِ خُداوندی میں بھی غور کرنا ہے:-

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۸۵/۲۱-۲۲)

بلکہ وہ قرآنِ مجید (بزُرگ) ہے جو لوحِ محفوظ پر (رُوحانی تحریر میں) موجُود ہے۔

اِس مقام پر سوچنے کے لئے تین مختلف طریقے ہیں، پہلا یہ سوچنا کہ امامِ مبین سے امامِ ظاہر مُراد نہیں بلکہ یہ لوحِ محفوظ کا نام ہے جو مادّی آسمان پر ہے، جس کے ساتھ امامِ ظاہر کا کوئی تعلّق نہیں، دُوسرا یہ ماننا کہ لوحِ محفوظ بیشک ایک الگ حقیقت ہے، مگر رُوحانی ہے، لہٰذا جس طرح قرآن ظاہراً دُنیا میں ہے اور باطناً لوحِ محفوظ پر ہے، اسی طرح نورِ امامت کا رُوحانی پہلو لوحِ محفوظ سے متصل ہے اور جسمانی پہلو اِس دُنیا میں ظاہر ہے، اور تیسرا طریقہ یہ ہے جو کہا جاتا ہے کہ امامِ مبین کا مطلب امامِ زمان ہے جو ظاہر اور موجُود

ہے، اور لوحِ محفوظ بھی نورانیت میں امام ہے، جس میں قرآن بکیفیتِ رُوحانی محفوظ اور مجید (بزرگ) ہے۔

اِن تین تصوّرات میں سے پہلے تصوّر میں کوئی حقیقت نہیں، کیونکہ خُدا کی تمام چیزیں اِس جہان سے الگ تھلگ اور لوگوں کی رسائی سے بالاتر ممکن نہیں، جبکہ نورِ نبیؐ کو خُدا نے رحمتِ عالم قرار دیا، اور آپؐ کے جانشین میں وہی نُور قائم ہے، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ خُداوندِ مہربان اپنے اُن خزانوں کی تعریف و توصیف کرتا ہو، جنکے دروازے اہلِ جہان پر کبھی کُھل نہیں سکتے ہوں، اور ایسی لوحِ محفوظ کہ اس میں رُوحانیت اور علم کی تمام چیزیں محدُود ہیں اور قرآن بھی اپنے رُوحانی جمال و جلال کے ساتھ اس میں درج ہے، درحالیکہ اُس وقت تک لوگوں کو کوئی راستہ نہیں، اِس سے ظاہر ہے کہ خُدا کی ایک ایسی چیز ہے کہ وہی سب کچھ ہے، اور وہ نُورِ امامت ہے، جس طرح عالمِ مادّیّت کے لئے خُدا نے مادّی نُور کا ایک ایسا سرچشمہ بنا دیا ہے، جو دُنیائے ظاہر کے لئے وہی سب کچھ ہے، یعنی سُورج، اِسی طرح دُنیائے اِنسانیّت اور عالمِ دین کا سُورج امام ہے، جس میں رُوحانی اور علمی طور پر سب کچھ موجُود ہے۔

فقط

نصیرالدّین نصیر ہونزائی

۳/۶/۸۲

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

مجھ سے پوچھا گیا

سوال نمبر ۱: میرے خیال میں اسماعیلی حضرات فقہی امور پر کلّی طور سے عمل نہیں کرتے ہیں۔

جواب: یہ آپ کا اپنا خیال دُرست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ فقہ کا جو ذریعہ اور مقصد تھا وہ صرف اسماعیلیوں کے پاس مہیّا ہے اور کسی کے پاس نہیں، یعنی فقہ اصل میں امام کا کام ہے جو قرآن اور حدیث کی روشنی میں کیا گیا ہے، اچھا اب اِس بارے میں خود میں پُوچھتا ہوں کہ آیا فقہ کی تکمیل نزولِ قرآن کے وقت اللہ تعالیٰ نے کی تھی؟ نہیں۔ آیا یہ کام زمانۂ نبوّت میں پُورا ہو چکا تھا؟ نہیں نہیں۔ پھر فقہ کا کام کس نے انجام دیا؟ اماموں نے۔ بالکل دُرست ہے، اور اِسی وجہ سے شیعہ مذہب میں فقہ کو فقہ جعفریہ کہا جاتا ہے، اب اسماعیلیوں میں یہ فقہ بھی ہے اور خود امام جعفر الصّادقؑ کی نسل سے آپؑ کے وارث اور جانشین امام بھی ہے، لہٰذا جس طرح اسماعیلی فقہ پر عمل کرتے ہیں، وہی حقیقت میں بجا اور دُرست ہے، کیونکہ انکے پاس گویا امام جعفر الصادقؑ

بانیٔ فقہ موجود ہیں۔

سوال ۲ : آپ کی کتابوں میں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی اصطلاحیں زیادہ استعمال ہوئی ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : اس کی وجہ اسلام ہے، جو صراطِ مستقیم (راہِ راست) کہلاتا ہے، دین کا یہ راستہ خدا تک جاتا ہے، جس کی مذکورہ چار منزلیں ہیں، اور ہر لمبے راستے کی تو لازماً منزلیں ہوا کرتی ہیں۔ صوفیوں کے نزدیک بھی یہ اصطلاحیں مسلّمہ ہیں، آپ ڈکشنری آف اسلام میں دیکھیں، اس میں FOUR STAGES OF ISLAM (اسلام کی چار منزلیں) کہا گیا ہے۔

سوال ۳ : آپ کو جو باطنی کہا جاتا ہے، اس کی آپکے پاس کیا توجیہہ ہے؟

جواب : اس کی توجیہہ یہ ہے، کہ ہم دینِ اسلام کے ظاہر کے علاوہ باطن کے بھی قائل ہیں، کیونکہ فرمانِ رسولؐ ہے کہ "قرآن کی کوئی آیت اس کے سوا نہیں کہ اس کا ایک تو ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر باطن کا بھی باطن ہے اسی طرح سات باطن ہوتے ہیں"۔ اور دوسری روایت کے مطابق یہ سلسلہ ستّر باطن تک چلتا ہے۔ اب آپ خود ذرا سوچ کر یہ بتائیں، کہ خداوندِ حکیم نے جو کتاب ہدایت نامہ

بنا کر اِس حالت میں نازل فرمائی ہے کہ اِس کے ظاہر سے باطن کئی گنا زیادہ ہے، تو کیا (نعوذ باللہ) قرآن کا باطنی حصّہ جو سراسر حکمت ہے فضول اور دُور از کار ہو سکتا ہے؟ یا یہ کہ اِس میں بھی ہدایت ہے؟ اگر مان لیا جائے کہ قرآن کے باطن میں بھی ہدایت ہے جس طرح اِس کے ظاہر میں ہدایت ہے، تو لازمی طور پر ظاہر و باطن دونوں پر عمل کرنا ہوگا، مگر یہ ناممکن ہے کہ پہلے باطن پر عمل ہو اور پھر ظاہر پر، اور نہ ہی یہ دُرست ہے کہ زمانۂ رسُولؐ میں ایک ساتھ ظاہر و باطن پر عمل کیا جاتے، بلکہ صحیح یہی ہے کہ پہلے یعنی زمانۂ شریعت میں زیادہ سے زیادہ ظاہر (تنزیل) پر عمل ہو اور زمانۂ حقیقت میں زیادہ سے زیادہ باطن (تاویل) پر عمل کیا جائے، یہی سبب ہے کہ ایک دِن رسُول اکرمؐ نے یُوں ارشاد فرمایا :-

"یقیناً تم میں سے وہ شخص بھی ہے جو قرآن کی تاویل پر لڑے گا، جیسے مَیں نے اِس کی تنزیل پر جنگ کی تھی" اور یہ واقعہ مشہور ہے کہ پیغمبرِ خداؐ کے نزدیک تاویلی جنگ کرنے والے مولانا علیؑ تھے، اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسُولؐ نے تو تنزیل پر جنگ کی جس کا مقصد قرآن کے ظاہر پر عمل کرانا تھا، مگر امام علیؑ کو یہ ذِمّہ داری کیُوں سونپی گئی کہ آپ تاویل پر جنگ کریں، یعنی قرآن کے باطنی احکام کو لوگوں کے سامنے لائیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے ظاہر کے بعد باطن

پر عمل ضروری ہے، اِس لئے کہ اِسلام دینِ فطرت ہے، اور فطرت میں ترقی ہے، پودے کا درخت بن جانا فطرت ہے اور بچّے کا ایک بڑا آدمی بن جانا فطرت ہے، چُنانچہ زمانۂ رسُولؐ میں اِسلام پودے کی طرح تھا، اِسے نشو و نما پاکر پھلنا پھُولنا تھا، سو اسماعیلیت اِسلام کا دُرست نمونہ ہے کہ اس میں ظاہر کے بعد باطن پر عمل کیا جاتا ہے۔

سوال ۴ : یہ کیُوں ایسا ہے کہ امام مغرب میں قیام پذیر ہیں ؟ وہ مشرق میں کیُوں نہیں رہتے ہیں ؟

جواب : امام عالیمقام کے مغرب میں رہنے میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں، ایک تو یہ کہ امام کو موجُودہ وقت میں کسی ایسے مُلک میں رہنا چاہیئے جہاں سے بین الاقوامی سطح پر اُبھر کر اسلام اور اسماعیلیت کے لئے مفید کام کر سکے، چُنانچہ اِس حقیقت کی بہت سی شہادتیں موجُود ہیں کہ خاندانِ امامت نے اپنے قیامِ مغرب کے دَوران مُسلمانوں کے مُفاد میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ دُوسری حکمت یہ ہے کہ پیغمبر آخر زمانؐ جس شہر میں مبعوث ہُوئے وہ مکّہ مکرّمہ ہے جس کو قرآن نے اُمّ القرای (بستیوں کی ماں) کا ٹائٹل دیا ہے (۶/۹۲) جس کے معنی یہ ہیں کہ ہادیٔ برحق کو بہت بڑے مُلک میں اور زبردست قوم کے درمیان رہ کر پُوری دُنیا پر اثر انداز ہونا ہے، وغیرہ۔

سوال ۵ : قبلہ کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے ؟

جواب : قبلہ کے باب میں میرا نظریہ وہی ہے جو قرآن مجید میں ہے، کہ قبلہ شریعت کی تمام نمازوں میں ضروری شرط ہے، اور اگر ان سے الگ کوئی تسبیح یا دُعا اور ذکرِ خُدا جیسی عبادت ہو تو اس میں قبلہ شرط نہیں، کیونکہ شریعت کے مقام پر قبلہ ایک خاص تاویل رکھتا ہے، مگر جو چیزیں بجائے خود تاویل ہیں، ان میں قبلہ نہیں۔

سوال ۶ : شراب کے بارے میں امام کا کیا حُکم ہے ؟

جواب : جو چیز شریعت نے حرام قرار دی ہے وہ چیز امام کے نزدیک حرام ہی ہے، خاص کر شراب جو بُرائیوں کی جڑ ہے، شراب تو شراب ہی ہے، امام تمباکو نوشی سے بھی منع فرماتے ہیں، جبکہ بہت سے لوگ اِس (SLOW POISON) کا استعمال جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ اِسلام میں ہر ایسی مضرِ صحت چیز حرام ہے۔

سوال ۷ : کہا جاتا ہے کہ آپ کی اپنی تقریباً سو کتابیں ہیں، تو کیا یہ بات سچ ہے ؟

جواب : جی ہاں یہ بات درست ہے۔

سوال ۸ : آپ کی ظاہری تعلیم کیا ہے ؟

جواب : تیسری اور چوتھی جماعت، یعنی ایک ہی سال میں یہی

دو جماعتیں پڑھی ہیں اور بس، اس پر اُنہوں نے کہا کہ یہی تو تعجب کی بات ہے۔

سوال ۹ : یہ بھی کہتے ہیں کہ جب آپ چین میں قیدی تھے تو اس وقت آپ پر رُوحانیت کے بڑے بڑے معجزات گذرتے رہتے تھے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب : جی ہاں بالکل صحیح ہے۔

سوال ۱۰ : آپ حضرت علیؑ کو کیا مانتے ہیں؟

جواب : وَلِیؑ خدا، وصیؑ رسولؐ اور امامِ برحقؑ۔

سوال ۱۱ : کوئی ایسی آیت بتایئے، جس سے یہ ظاہر ہو کہ اسماعیلیّت کا نظریہ درست ہے۔

جواب : اِس سلسلے میں آیات تو بہت ہیں، مثال کے طور پر لیجئے یہ آیت :-

وَاعتصموا بحبل اللهِ جمیعاً وّلا تفرّقوا ۳/۱۰۳

اور اللہ کی رسّی کو سب مل کر مضبُوطی سے تھامے رہو اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ۔ اِس فرمانِ الٰہی میں ایک طرف تفرّقہ بازی کی بیماری کا ذکر ہے اور دُوسری طرف اِس کا علاج بتایا گیا ہے، اور تفرّقہ سے بچنے کا علاج یہ ہے کہ خُدا کی رسّی کو سب مل کر پکڑے رہیں، ہمارے نزدیک اللہ کی رسّی سب سے پہلے رسُولؐ تھے اور پھر سلسلۂ امامت

ہے، پس اگر لوگ اسماعیلیوں کی طرح پیغمبرؐ کے بعد امام کے دامن کو پکڑ لیتے تو فرقہ فرقہ ہو کر خُدا کے اِس حُکم کے نافرمان نہ ہو جاتے، اگر اس کے برعکس کسی کے نزدیک صرف قرآن یا اِسلام ہی خُدا کی رسّی ہے تو پھر قرآن اور اِسلام کو پکڑنے کے باوجود مُسلمان کیوں فرقوں میں بٹے ہُوتے ہیں، حالانکہ خُدا کی رسّی ایسی ہے کہ اگر لوگ اس کو پکڑیں تو وہ متفق اور متحد ہو جاتے ہیں۔

اِس سِلسلے کی دُوسری آیت یہ ہے :-

وَمن یّعتصم باللہِ فقد ھُدِیَ الیٰ صراطٍ مستقیم (۳/۱۰۱)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبُوط پکڑتا ہے تو ضرور اِس کو راہِ راست کی ہدایت مل جاتی ہے۔

یہاں یہ جاننا ہے کہ اگر کسی وسیلے کے بغیر خُدا کو پکڑنا ممکن ہوتا تو پھر خُدا کو چھوڑ کر خُدا کی رسّی کو پکڑنے کی ضرورت نہ ہوتی اِس سے ظاہر ہے کہ خُدا کو پکڑنے کے معنی ہیں خُدا کی رسّی کو پکڑنا، اور یہی سبب ہے کہ اس سورہ کی آیت ۱۰۱ میں جو کچھ سوال پیدا ہو جاتا ہے اِس کا جواب آیت ۱۰۳ میں موجُود ہے، وہ یہ کہ اللہ کی رسّی اللہ کی نمائندہ ہے اور وہ سِلسلۂ امامت ہے، جس کے ساتھ خُدا کی ہدایت وابستہ ہے۔

تیسری آیت کا ترجمہ یہ ہے :

اے ایمان والو ! خُدا کی اطاعت کرو اور رسُول کی اطاعت

کرو اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں ۴/۵۹ اِس حُکم میں تین قِسم کی اطاعتیں فرض کی گئی ہیں، خُدا کی اطاعت، رسُول کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت، تیسری اطاعت جو آئمۂ ہُدیٰ کی ہے وہ ایک طویل سلسلے میں پھیلی ہُوئی ہے، جس میں ہر زمانے کے امام کو بحیثیت صاحبِ امر کے یہ حق پہنچتا ہے، کہ جدید مسائل سے متعلق اس کا بھی کوئی ذاتی فرمان ہو تاکہ مومنین اپنے وقت کے امام کی اطاعت کرکے اِس حُکم خداوندی کو بجالاسکیں، جس میں خُدا و رسُول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امامِ زمان کی اطاعت فرض کی گئی ہے۔ یہ ہے بطریقِ اختصار اِسماعیلیت کا نظریہ۔

نوٹ

جو مخلص اسماعیلی اِس سوال و جواب کو غور سے پڑھے گا یا سُنے گا، اُس سے یقیناً مولا راضی ہوگا کہ اُس نے امامِ زمان کے مرتبے کو سمجھ لیا ہے، کیونکہ یہاں بڑی عالیشان باتیں ہیں، اور بہت سے سوالات کو ایک ہی جواب نے گھیر لیا ہے۔

تحریر نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

۹/۸/۸۰

عبادت میں کامیابی کا عظیم ترین راز

سوال ہے کہ عبادت میں وسوسۂ شیطانی کس طرح ختم یا کم ہو سکتا ہے، اور اس سے چھٹکارا پانے کا وسیلہ کیا ہے؟ وغیرہ۔

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ وسوسہ کیا ہے، اور اس کا وجود ذہنی کن کیفیات کے زیر اثر بنتا ہے، کیونکہ کسی بیماری کو گہرائی سے دیکھنے سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ اس کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیا جائے، چنانچہ جب ہم قرآنِ مقدس میں دیکھتے ہیں تو پانچ الگ الگ مقامات پر "وسوسہ" کا ذکر ملتا ہے، اور وہ آیاتِ حکمت آگین یہ ہیں: ۲۰/۱۲۰، ۵۰/۱۶، ۱۱۴/۵، ۱۱۴/۴

لفظ "وسوسہ" کے کئی ترجمے ہیں اور بھی ہو سکتے ہیں، مگر یہاں اس کا قابلِ فہم مطلب "پریشان کن خیالات" درست ہے، یہ پُرخطر خیالات جن میں توجہ کی پریشانی کے تمام تر سامان مہیا ہیں، اور جو شیطان کے سبب سے کسی دل میں پیدا ہو جاتے ہیں، وہ لفظ و معنی کی گوناگون

صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں، یعنی وسوسہ کچھ ایسی ناپسندیدہ باطنی کیفیتوں کا نام ہے جو دل و دماغ اور حواسِ باطن کے مختلف مدارج پر مسلط ہو جاتی ہیں، جن کی ظلمت و تاریکی سے کوئی شخص خارج نہیں ہو سکتا ہے مگر یہ ہے کہ نورِ ہدایت اس کی دست گیری کرے۔

وسوسہ کو وسواس بھی کہتے ہیں، جس کی جمع وساوس ہے وسواس ایک نمایاں بیماری کی شکل میں بھی ہے، جس میں مبتلا مریض کو طرح طرح کے غیر مفید خیالات ستاتے رہتے ہیں، اور ایسا آدمی ذہنی طور پر بہت کمزور ہو جاتا ہے، اس مثال میں جو بصورتِ بیماری لوگوں کے سامنے ہے قانونِ قدرت زبانِ حکمت سے یہ کہتا ہے کہ دیکھو تم میں جو وسوسہ پوشیدہ ہے، جس کو تم اپنی نادانی سے برا نہیں مانتے ہو، اس کی ظاہری شکل اور نمونہ یہ ہے، جسے تم بآسانی دیکھ سکتے ہو، پس عقل والوں کو چاہئے کہ وہ وسوسہ کو شیطان کا پھندا اور تیرِ زہر آلودہ قرار دیں اور اس سے خود کو محفوظ کر لینے کی سعی و کوشش کریں۔

اس مضمون میں دیوانہ کی مثال بھی ضروری ہے، کہ دیوانہ کو عربی میں مجنون کہتے ہیں اور دیوانگی کو جنون، جنون کا لفظ جن سے ہے، یعنی اہلِ دانش کے نزدیک جن (شیطان) ہی دیوانگی کا باعث ہے جیسے قرآن حکیم کی ۷/۱۸۴، ۲۳/۷۰، ۲۳/۲۵، ۳۴/۴۶ میں لفظ جنّۃ جنون

یعنی دیوانگی کے لئے آیا ہے، اور فارسی میں بھی لفظوں کی یہ مثال درست ہے کہ جنّ کو دیو اور جنون کو دیوانگی کہتے ہیں، یعنی جو شخص دیو (شیطان) کے زیر اثر ہو اس کو دیوانہ کہا گیا ہے، پس لفظ مجنون ہو یا دیوانہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جن یعنی شیطان ہی دیوانگی کا سبب ہے، جیساکہ قرآنِ کریم کا پاک و پاکیزہ ارشاد ہے کہ :-

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۱۱۴/۶

یعنی خناس (شیطان، جو لوگوں کے دِلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے) وہ جنات میں سے بھی ہے اور آدمیوں میں سے بھی۔

اَب اِس وضاحت کی روشنی میں یہ کہنا مقصود ہے کہ اگر کسی شخص کو وسوسۂ شیطانی کا کھلا مظاہرہ مادّی شکل میں دیکھنا ہے تو وہ ذرا غور سے کسی دیوانے کو دیکھے کہ وہ مجبوراً اُن تمام وسوسوں کو جو شیطان اس کے دِل و دماغ میں پھیلاتا جاتا ہے کس طرح دیوانگی اور بیہودگی کی صورت میں ظاہر کرتا ہے، کوئی شک نہیں کہ اس کی ہر ناپسندیدہ بات اور ہر بیہودہ حرکت ایک جداگانہ وسوسے کے تحت ہے۔

اِس مقام پر اللہ تعالیٰ کے قانونِ حکمت کا یہ مختصر سا تذکرہ بیحد ضروری ہے کہ اُس زبردست دانا حکیم نے اہلِ سعادت کو

سمجھانے کی خاطر دُنیائے ظاہر میں ایسی بہت سی مثالیں بنائی ہیں اور ایسے بہت سے مظاہر پیدا کئے ہیں، جو انسان کی پوشیدہ چیزوں کی نمائندگی کرتے ہیں، مثلاً نیند کا مظہر خرگوش ہے، کھانے پینے کے شوقین نفس کی مثال گائے ہے، کینہ وری کی ظاہری صورت سانپ ہے، اور اونٹ بھی اِسی زمرے میں آتا ہے، مردُم آزاری کُتّے میں مجسّم ہے، حرام خوری کا نمونہ کوّا ہے، فخر و ناز کا پیکر طاؤس (مور) ہے، اور اسی طرح ایک دیوانہ شخص ایسے شدید وسوسوں کا مظہر ہے، جو کسی شیطان کے دوست کے دِل و دماغ میں ہوتے ہیں۔

اِس سلسلے کی ایک اور کلیدی حکمت اِس آیۂ کریمہ میں پوشیدہ ہے، اور اُس ارشاد کا ترجمہ یہ ہے: جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر اُس شخص کی طرح کھڑے ہونگے جس کو شیطان نے لپٹ کر مخبوطُ الحواس بنا دیا ہو، یہ اِس وجہ سے کہ وہ اس کے قائل ہو گئے کہ جیسا بکری کا معاملہ ویسا ہی سود کا معاملہ، حالانکہ بکری کو تو خُدا نے حلال اور سود کو حرام کر دیا (۲/۲۷۵) اِس فرمانِ الٰہی کا ایک تاویلی خلاصہ یہ ہے کہ تمام قرآنی مثالیں بالآخر مشیّت ایزدی کے مرکز پر جمع ہو جاتی ہیں، چُنانچہ جو حقیقی علم نُور ہدایت کی اطاعت و فرمانبرداری سے ملتا ہے، وہ تجارت جس کو خُدا نے حلال کر دیا ہے،

اور جو لوگ اِس کے بغیر علم کو حاصل کرتے ہیں، وہ سُود ہے، جس کو خُدا نے حرام ٹھہرایا ہے، اور یہ علم وہ ہے جس کی وجہ سے قیامت میں ان کے حواس کام نہیں کر سکیں گے، جس کی مثال ایسا شخص ہے جو شیطان کے چھُونے سے مجنُون یا مخبوط الحواس ہو گیا ہو، سو یاد رہے کہ شیطان اگرچہ آزاد ہے، تاہم یہ آزادی بھی ایک قانُون کے تحت ہے، اور وہ یہ ہے کہ خُدا وند تعالیٰ کے خاص بندے اِس کے شر سے محفوظ ہیں۔

وسوسہ زیادہ سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور کم سے کم بھی، اس کا انحصار آدمی کے اخلاق اور دینداری پر ہے، کیونکہ جس دل میں دین، ایمان اور تقویٰ ہے، اِس میں شیطان ہر بار ناکام و نامراد ہو جاتا ہے، جیسے روزِ اوّل کے متعلق قرآنی ارشاد ہے کہ:۔

(شیطان نے کہا) ..... اِن سب کو ضرور بہکا دوں گا مگر ان میں سے تیرے مخلص بندے (کہ وہ میرے بہکانے میں نہ آئیں گے ۱۵/۳۹-۴۰)

آپ یہ بات بھُول نہ جائیں کہ شیاطین جنّات میں سے بھی ہیں اور اِنسانوں میں سے بھی، اور ہم نے دونوں قسم کے شیطانوں سے آپکو باخبر کر دیتا ہے، چُنانچہ عبادت کے دوران کسی کو گمراہ کر دینے، یعنی توجّہ ہٹانے کیلئے شیطان کے پاس صرف ایک ہی حربہ ہُوا کرتا ہے اور وہ وسوسہ ہے، جو ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ بہت ہی کمزور چیز ہے، کیونکہ بموجب حکمتِ قرآن (بصوتک ۱۷/۶۴)

شیطان کا حملہ صرف ایک آواز سے ہے، جو وسوسہ بھی ہے اور باتیں بھی۔

شیطان کی آواز خواہ ظاہر میں ہو یا باطن میں، خُدا کے دوستوں کے سامنے بڑی کمزور اور بے معنی ہے، لیکن خود شیطان کے دوستوں کے لئے اِس میں بڑی کشش اور لذّت پائی جاتی ہے، اور یہی سبب ہے کہ دُنیا کے بہت سے لوگ دیو کی پیروی کرتے ہیں۔

خُدا کے سچّے دوست آواز کا مقابلہ آواز سے اِس دانشمندی سے کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دِل کی زبان سے (یعنی رُوح کی زبان سے) ربِّ کریم کے بابرکت نام کا کامیاب اور مسلسل ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ ظاہر و باطن میں امامِ وقت صلوات اللہ علیہ کی طرف دیکھتے ہیں اور اِسی نُورِ ہدایت کے احکامات کے مطابق عمل کرتے ہیں، جس کی بدولت خُداوندِ قدّوس ان کو سلامتی کی راہوں پر چلاتا ہے (۵/۱۵-۱۶)

بعض لوگوں کے لئے مُشکل یہ ہے کہ وہ شیطان اور اس کے لشکر کے حملوں کو نہیں جانتے ہیں، اور نہ ہی دل کی آواز کی اہمیّت اور قوتِ ارادی کو سمجھتے ہیں، اگر وہ اس کی اہمیّت و کیفیت کو جانتے تو وہ ہر طرح سے محفوظ و سلامت رہتے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے عالی قدر اور عزیز ترین

کتاب (قرآنِ پاک) میں شیطان کا ذکر کرتے ہوئے بِصَوْتِكَ (۱۷/۶۴) فرمایا، تو اہلِ توفیق خُداوندِ مہربان کے اِس پُرحکمت اشارے کو سمجھنے لگے، کہ شیطان اپنے لشکر کی مدد سے، جو انسی اور جنّی شیاطین پر مشتمل ہے، کیا کیا کرتا ہے، کیونکہ "صَوْت" کا مطلب صرف وسوسۂ باطن نہیں ہے، بلکہ صَوْتِ شیطان کا دائرہ دُنیائے ظاہر میں بہت ہی وسیع ہے، جس سے محفوظ رہنے کے لئے ہمیں دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے، اور وہ ہیں بندگی اور حقیقی علم، کیونکہ بندگی بھی اور علم بھی درحقیقت ایک نورانی آواز ہے، جو صوتِ شیطانی کو نیست و نابود کر سکتی ہے۔

جیسا کہ اِس سے پیشتر قرآنِ مُقدّس کے حوالے سے یہ بات بتائی گئی ہے کہ خُدا کے مُخلص بندوں پر شیطان غلبہ نہیں پا سکتا ہے، چُنانچہ یہاں لفظِ "مُخلص" کی حکمت بیان کی جاتی ہے، کہ مُخلص بندۂ مومن ہے، جس کی صفت اخلاص ہے، اور اخلاص کے دو مقام یا کہ دو پہلو ہیں، ایک علم ہے اور دُوسرا عمل، اور جُملہ عمل بندگی ہے، پس اس میں اشارہ یہ ہے کہ علمِ حقیقی ہو اور ہر قسم کی آمیزش و آلائش سے پاک اور "خالص" جب حقیقی مومن کا علم غلط حکایات و روایات اور باطل نظریات سے پاک و پاکیزہ اور خالص ہوگا، تو لازمی طور پر عمل یعنی جُملہ بندگی بھی خالص ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق شیطان کو

ایسے بندۂ مخلص پر کوئی غلبہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

یاد رہے کہ اخلاص قرآنِ حکیم کے درجۂ اعلیٰ مضامین میں سے ہے اور اس پُر حکمت موضوع کے پیارے پیارے الفاظ جو خ ل ص کے مادّہ سے ہیں، وہ بارہ مشتقات ہیں، جو قرآنِ پاک کے ۳۱ مقامات پر مذکور ہیں؛ جب ہم اِس مادّہ کی تحقیق کے لئے مُستند لغات کو دیکھتے ہیں، تو سب سے پہلے خَلَصَ (خلوص) کا لفظ آتا ہے، اور جس کے سامنے یہ ترجمہ ملتا ہے: 'TO BE PURE, UNMIXED, UNADULTERATED' یعنی پاک و پاکیزہ ہونا، آمیزش اور آلائش کے بغیر، آلودگی سے پاک وغیرہ۔

اِس حقیقت میں کسی مومن کو کیا شک ہو سکتا ہے کہ قرآنِ حکیم کے جملہ حکیمانہ اصولات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کا طرزِ بیان "موضوع اندر موضوع" ہے، یعنی ہر موضوع میں بہت سے دُوسرے موضوعات بھی سموئے ہُوتے ہیں، چُنانچہ آپ کو اخلاص کے اِس حکمت آگین موضوع میں، جو متعلقہ اور بلا واسطہ الفاظ کے اعتبار سے صرف ۳۱ مقامات پر ملتا ہے، بہت سے دُوسرے اعلیٰ موضوعات بھی ملیں گے؛ اُن میں سے ایک ضروری مضمون یہ بھی دیکھنا ہے، کہ خُداوند عالم نے اِس میں اپنے دینِ خالص کا کس شان سے ذکر فرمادیا ہے۔

بندۂ مخلص جس کا عقیدہ (مذہب) ہر قسم کے غلط نظریات سے پاک و پاکیزہ ہے، جس کا علم باطل روایات سے پاک ہے اور جس کی عبادت خُدایانِ باطل کی پرستش کی آلائش سے پاک ہے، وہ خُداوندِ عالم کا خالص دین رکھتا ہے، اور جو خُدا کے دین میں ہے وہ ربّانی قلعے میں ہے، یعنی وہ خُدا کی پناہ میں ہے، لہٰذا شیطانِ رجیم کچھ نہیں کر سکتا ہے۔

اِس موضوع کا خلاصہ یہ ہے کہ وسوسۂ شیطانی کے دو مرحلے ہیں پہلا مرحلہ بڑا سخت اور بہت مُشکل ہے، جس میں شیطان زبردست کوشش کرتا ہے کہ کسی مومن کے ہاتھ کو امامِ زمانؑ کے مقدّس دامن سے چُھڑا دیا جائے، جب مومن بتوفیقِ الٰہی وہاں سے صحیح و سلامت آگے بڑھتا ہے تو دوسرا مرحلہ آتا ہے، جس میں اِتنی مُشکلات نہیں، اور نہ ہی ایسا کوئی بڑا خطرہ ہے، جیسے پہلے مرحلے میں صراطِ مُستقیم سے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، دُوسرے مرحلے میں اگر کوئی تکلیف ہو تو اس کا علاج کثرتِ ذکر سے ہو سکتا ہے، کیونکہ حقیقی مومن اگر کثرت سے خُدا کو یاد کرتا ہے تو وہ مرحلۂ دوم کے وساوِس سے فلاح پا سکتا ہے، آپ قرآنِ پاک میں یہ موضوع بھی دیکھیں کہ کثرتِ ذکر کی کیا اہمیّت ہے، اِس سلسلے میں آپ کو بہت سی آیات ملیں گی، خاص کر "کثیراً" میں دیکھنا، جیسے ۶۲/۱۰ میں ہے کہ اِس ارشاد میں ظاہراً و باطناً فضلِ خُدا

اور فلاح کا راستہ ذکرِ کثیر بتایا گیا ہے۔

اس آخری مقام پر یہ تفصیل ضروری ہے کہ وسوسہ کے مذکورہ دو مرحلے کس طرح سے ہیں، چنانچہ جاننا چاہیئے کہ بموجب علمِ قرآن مرحلۂ اوّل کے خطرناک وسوسے شیطان سے ہیں اور مرحلۂ دوم کے کمزور وسوسے نفس سے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:-

وَلَقَد خَلَقنَا الانسان و نعلم ما توسوِسُ به نفسه۔ وَنَحنُ اقربُ اِلیہِ مِن حبل الورید (۵۰/۱۶)

اور بیشک ہم نے اِنسان کو پیدا کیا اور اُس کا نفس جو اس میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ ہم جانتے ہیں، اور ہم تو اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اِس کی تاویلی حکمت یہ ہے کہ جس خُدا نے اِنسان کو جسمانی طور پر پیدا کیا ہے وہی اُس کو رُوحانی طور بھی وجُود دینے والا ہے، مگر خُدا کے عِلم میں ہے کہ کس وجہ سے رُوحانی تخلیق میں تاخیر ہُوتی ہے، اِس کی وجہ وسوسۂ نفس ہے، جس کا علاج یہ ہے کہ خُدا کے عِلم سے استفادہ کیا جائے، یعنی حقیقت سے، جس کی روشنی میں یہ ضرور پتہ چلے گا کہ نفس کیونکر وسوسہ ڈالتا ہے اور اُس کا مداوا کیا ہے، اور اس سلسلے میں خُدا سے کیا کیا مدد مل سکتی ہے کہ وہ رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اِس تفصیل کی روشنی میں یہ معلوم ہُوا کہ وسوسۂ شیطانی اور وسوسۂ نفسانی میں نمایاں فرق ہے، ہر چند کہ بعض مثالوں میں نفس کو شیطان کا درجہ دیا جاتا ہے، خیر یہ تو اصلاح و ترقی کی بات ہے، مگر حقیقت میں نفس امام کا دُشمن کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ شیطان امام کا دُشمن ہے اور شیاطینِ انسی و جنّی کی تمام باتیں باوجُود اِس کے کہ وہ ظاہر میں بہت خُوبصورت ہیں، جس کی وجہ سے قرآن نے زُخرُف (۶/۱۱۲) کہا ہے، قانونِ خدائی کی رُو سے وسوسہ کہلاتی ہیں، پس جو مومن امام کے دُشمنوں کی باتوں سے پرہیز کرتا ہے وہ شیطان کے وسوسے سے محفوظ ہے، اور اگر وہ حقیقی علم کی روشنی میں بندگی میں آگے بڑھے اور کثرت سے خُدا کو یاد کرنے کا طریقہ اپنائے تو وسوسۂ نفس سے بھی فارغ ہو سکتا ہے۔

نصیر الدین نصیر ہونزائی

۲۰/اپریل ۸۲ء

اصل میں واصل اور فنا ہو جانے کی حقیقت

اِس اہم موضوع میں اصل سے رُوحِ انسانی کا وہ عظیم الشّان سرچشمہ مُراد ہے، جس سے یہ رُوح عکس آفتاب کی طرح اِس مادّی دُنیا میں نازل ہُوئی ہے، اصل عربی لفظ ہے، جس کے معنی جڑ کے ہیں، اصل کی جمع اصُول ہے، اور اصُولِ دین اسی معنی میں ہیں (یعنی دین کی جڑیں) اصل کے دُوسرے معنی کو سمجھنے کے لئے لفظ اوریجنل ORIGINAL کو لینا چاہیئے، اور اصل حقیقت کا نام بھی ہے، بہرکیف اِس میں دو چیزوں کی طرف اشارہ موجُود ہے، یعنی ایک تو اصل اور دُوسری نقل، یعنی اوریجنل (ORIGINAL) اور کاپی (COPY) اور یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض چیزوں کی اصل اور نقل میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے، جبکہ کچھ چیزوں کی اوریجنل اور کاپی میں آسمان زمین کا فرق ہے، جیسے نسخہ کتاب اور کتاب کے درمیان چند ان فرق نہیں ہے، مگر سُورج اور عکسِ آفتاب (جو آئینے میں ہے) کے درمیان بے انتہا فرق ہے، اِسی طرح آدمی اور اس کی تصویر (خواہ

محرک فلم ہو یا کاغذی تصویر) کے درمیان بھی بہت کچھ فرق و تفاوت پایا جاتا ہے، اگر ہم اصل کو پانی کا ایک صاف چشمہ اور رُوح کو اس طرف بہنے والی نہر فرض کریں تو پھر بھی بڑا فرق ہوگا۔

واصل کا لفظ وصل سے ہے اور اس کا مطلب ہے مل جانا، اور فنا کے حقیقی معنی ہیں نفس کی مکمّل اصلاح، تزکیہ اور تحلیل، اَب ہم اس موضوع میں آگے بڑھتے ہیں۔

ہماری اصل اور ہم ظاہری اعتبار سے نسخہ (اور بخل) اور کاپی یا کتاب کی طرح نہیں ہیں، کیونکہ یہ تو مادّی چیز سے مادی کاپی ہے، لہٰذا ان دونوں چیزوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے جبکہ انسان کی اصل حقیقت برتر ہے، اور انسان اس کا ایک جسمانی سایہ ہے، اَب سُورج کی مثال لیتے ہیں کہ سُورج بیشک مادّی ہے، اور اس کا عکس بھی مادی ہے لیکن عکس سورج سے بہت ہی دُور ہے، لہٰذا یہ سُورج سے بہت ہی کمتر اور حقیر چیز ہے، یہی مثال ہماری رُوح کی بھی ہے، کہ یہ اپنی اصل سے (جو نُور کا سُورج ہے) بہت دُور آئی ہے۔ اگر آئینے کو بدرجۂ انتہا صاف پاک اور مضبُوط بنا کر زیادہ سے زیادہ بلندی پر رکھا جائے، تو اس میں سُورج زیادہ نُور دکھا سکتا ہے۔

اِس وضاحت سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ انسان جب تک نفس

کی آلائشوں سے پاک نہ ہو جائے، انائے سفلی کو ترک نہ کرے اور انائے علوی کو نہ پہچانے تو اصل میں واصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ کوئی بھی تصور عمل کے بغیر کافی نہیں۔

اصل میں واصل اور فنا ہو جانے کے لئے علم اور عمل دونوں کی ضرورت ہے، چنانچہ جاننا چاہیئے کہ کوئی چیز اپنی اصل میں واپس نہیں جا سکتی ہے، مگر وسیلہ سے، آپ نے چشمہ یا ندی سے پانی کو آتے ہوئے دیکھا ہوگا، مگر واپس جاتے ہوئے کب دیکھا ہے؟ ہاں، یہ درست ہے کہ اسے سمندر سے جا ملنا چاہیئے پھر اس کے لئے تمام راستے آسان ہیں، سورج کا عکس جو کسی صاف و شفاف چیز میں چمکتا ہے وہ دوبارہ آسمان پر جا نہیں سکتا، مگر یہ ہے کہ وہ باور کرے بلکہ یقین جانے کہ وہ ہمیشہ کے لئے سورج میں موجود ہے اور یہ ایک فریب نظر تھا کہ وہ اس دنیا میں آیا ہے، کیونکہ آئینے میں ٹھہری ہوئی کوئی چیز ہرگز نہیں تھی، مگر مسلسل گذرنے اور بکھرنے والی کرنیں تھیں، اور جو سورج کی صورت نظر آتی تھی، وہ بحقیقت آئینے میں نہ تھی، جبکہ آئینہ کی خاصیت یہ ہے کہ انسان کی نظر کو آسمان کی طرف پھینکتا ہے، یعنی ہم سورج کو آئینے میں صرف اس وقت دیکھ سکتے ہیں جبکہ آئینہ سورج کے مقابل ہو، تاکہ ہماری نگاہ اس سے ٹکرا کر سورج کی طرف جائے۔

ہم جب آئینے کی مدد سے اپنے چہرے کو دیکھتے ہیں، تو اس میں دو باتیں ممکن ہیں، ہو سکتا ہے کہ ہماری شکل آئینے میں اُتر آئے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آئینے میں ہماری صورت نہ ہو صرف آئینے کی سطح سے ٹکرا ٹکرا کر ہماری نگاہیں واپس اپنے چہرے پر پڑتی ہوں، تو یہی دُوسری بات درست اور حقیقت ہے، اِس صورتِ حال میں بہت بڑا راز یہ ہے کہ انسان کی انائے عُلوی ہمیشہ سے اصل میں واصل ہے، اور علم و عمل سے اِس کے یقین کو حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کی مثال ایک آدمی اور اِس کی تصویر ہے، یعنی اِنسان عالمِ بالا پر ایک مکمّل آدمی ہے مگر اس دُنیا میں وہ ایک کاغذی تصویر یا ایک فلمی تصویر ہے، اِس مثال میں یہ کہاں ممکن ہے کہ آدمی کی تصویر جو ایک بار لی گئی تھی واپس اُس شخص کے چہرے پر چسپاں کر دیا جائے، اور ایسا کرنے کی ضرورت بھی کیوں ہو، جبکہ تصویر لینے سے آدمی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی تھی اور اس میں کوئی خلا پیدا نہیں ہوا تھا، کہ اس کو دوبارہ پُر کرنے کی ضرورت ہوتی، ایسا نہیں ہے۔

یاد رہے کہ اِس جسمانی ہستی کے پیشِ نظر اصل سے واصل اور فنا ہو جانے کا مطلب رُوحانی ترقی ہے، جس میں ربّ العزّت کی قُربت

ونزدیکی ہے، ایسی فنا نہ صرف مرجانے کے بعد حاصل ہو سکتی ہے، بلکہ جیتے جی بھی یہ مرتبہ مل سکتا ہے، چنانچہ انبیاؑ و اولیاء کے علاوہ بہت سے حقیقی مومنین بھی اِس منزلت کو پا سکتے ہیں، اور اسی معنی میں قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ سرورِ انبیاؑ کے نمونۂ عمل میں سب کچھ ہے (۳۳/۲۱) یعنی اِس آیۂ کریمہ کا تاویلی خلاصہ یہ کہ جو شخص خُدا سے اپنی اُمید کو وابستہ کرتا ہے (یرجوا اللہ) اور امام سے اُمید رکھتا ہے (والیوم الآخر) کہ یوم آخر امام ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ کثرت سے خُدا کی یاد کرتا ہے، تو اس کو رُوحانیت میں رسُول کی پیروی نصیب ہوگی، وہ اپنی اصل میں واصل ہو جائے گا۔

دُنیائے تصوّف میں منصور حلّاج بہت مشہور ہیں، ان کا اسماعیلی بُزرگوں کے ساتھ رابطہ ہُوا تھا، وہ زندگی ہی میں اپنی اصل سے واصل اور فنا ہُوئے تھے، اِسی طرح بہت سے خوش نصیب لوگ گذرے ہیں، جن کو زندگی ہی میں اصل سے واصل ہو جانے کا تجربہ ہُوا تھا، لیکن ہمیشہ یہ ضروری نہیں کہ اس واقعہ کا اعلان کر دیا جائے، کیونکہ یہ ایک عظیم راز ہے، جس کو صرف خواص ہی جانتے ہیں۔

قِصّۂ قرآن کے مطابق جب حضرت مُوسیٰؑ نے پہلی بار آتشِ طور (طور کی آگ = جلوۂ نورِ خُداوندی) کو دیکھا اور وحی کو سُنا تو معلوم

ہُوا کہ اُس انتہائی مقدّس آگ کے اندر اور اُس کے گرد اگرد یعنی قربِ خاص میں بہت سی خوش نصیب ارواح فنا ہو چکی تھیں اور فنا ہو رہی تھیں (۲۷/۸) اگر سعادت مندی سے یہ مان لیا جائے کہ وہ مرتبۂ ذاتِ سبحان نہ تھا، بلکہ مرتبۂ نورِ ہدایت تھا، یعنی ہادیٔ برحق کا نور، جیسا کہ اُس ارشاد سے ظاہر ہے، تو پھر حقائق و معارف کا راستہ صاف ہوگا، اور اِس روشن تصوّر کی روشنی میں ہمیں بولنا اور سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ خُدائے پاک کی طرف سے جو پاک نور اس دُنیا میں مقرّر ہے، اِس سے مومنین کی رُوحیں درجہ بدرجہ منسلک ہوتی ہیں، چونکہ نور کی ایک قابلِ فہم اور نمایاں مثال آگ ہے، اور عاشقان اپنی رُوح میں گویا لوہے کے ٹکڑے ہیں، چنانچہ اُن میں سے کچھ تو اِس نوری آگ کے اندر سُرخ انگارے بن چکے ہیں، کچھ درجہ بدرجہ آگ کے قریب ہیں، اور اس قربت کی وجہ سے جو کچھ ہونا چاہیئے وہ ان کو حاصل ہے، مثلاً روشنی اور گرمی، جس کے ہزاروں معانی ہیں، کیونکہ وہ مادّی چیز کی طرح محدود نہیں، اِس میں لاتعداد خوبیاں ہیں۔

اِس پُرحکمت قصّے میں نور کو آگ اِس لئے کہا گیا ہے کہ آگ ہمارے سامنے ہے، جس کے فعل کو ہم دیکھتے ہیں، یعنی ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ آگ لوہے کے ٹکڑوں کو کس طرح اپنا ہمرنگ اور ہمصفت

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

بنالیتی ہے، پہلے تو آگ کا فعل اور اثر لوہے پر پڑتا ہے، پھر لوہا بھی وہی کام کرنے لگتا ہے جو آگ کرتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ لوہے کے ٹکڑے (جن سے ارواحِ مومنین مراد ہیں) آسمانی آگ میں مل کر ایک بھی ہیں اور انکی جُداگانہ انفرادیت بھی ہے، یعنی وہ جس طرح آگ کے ہم صفت ہو گئے اِس میں انکی اور آگ کی ایک ہی وحدت ہے، اور جیسے وہ انگاروں کی طرح الگ الگ نہیں اس میں انکی انفرادیت مٹی ہوئی نہیں ہے، اور زبردست حکمت اِسی میں ہے کہ وحدت بھی ہو اور دُوئی و کثرت بھی ہو، ورنہ قصۂ عاشق و معشوق ختم ہو جائے گا، اور پھر وہی تنہائی ہوگی جو کسی مثال کے مطابق نہ معلوم شاید پہلے کبھی تھی، نیز یہ بھی ہے کہ اگر خُدا چاہتا تو اِس حقیقتِ حال کے برعکس اشارہ فرماتا کہ اِس آگ سے جو بھی واصل ہو گیا وہ ایسا واصل ہو گیا کہ اَب اس کی اپنی کوئی انفرادیت باقی نہیں رہی کہ اس کا کوئی ذکر کیا جائے۔

قرآن کہتا ہے کہ خُداوند تعالیٰ مومنین کو اپنی نُورانی صفات کی رنگینیوں میں رنگتا ہے (۲/۱۳۸) پس ہم اِس حقیقت کو بھی آگ اور لوہے کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں، چُنانچہ ہم ان دونوں آیتوں کو ایک دُوسرے کی تفسیر قرار دے سکتے ہیں، اور وہ یُوں کہ ہم کہیں: جو آتشِ طور کے اندر ہیں وہ صفاتِ خُداوندی کی رنگینیوں سے پُر ہیں، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے "صِبغۃ اللہ ۲/۱۳۸" کی نُورانیت سے رنگین بنایا ہے وہ بڑے بابرکت ہیں، کیونکہ ان دونوں

میں سے ایک آیت میں برکت کا ذکر ہے اور دُوسری میں رنگینی کا۔
مجھے یقین ہے کہ آپ حکمت کے ان خاکوں کو اچھی طرح سے سمجھ کر
ان میں رنگ بھر دیں گے، تاکہ ایک بہت ہی خوبصورت نقشہ تیار ہو جائے،
امید ہے کہ آپ میرے تمام علمی خطوط کا مطالعہ کریں گے۔

فقط بہت سی دُعاؤں کے ساتھ

عزیزوں کا علمی خادم

نصیر الدین نصیر ہونزائی

۱۶- اپریل ۱۹۸۲ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

یک حقیقت

"یک حقیقت" ایک فارسی مرکب لفظ ہے، جو مونوریالزم کا ترجمہ ہے، اور یہ اُلوہیت (DIVINITY) کے تاویلی تصوّر کی اِصطلاح ہے، یہ تصوّر دراصل دورِ قیامت کے سب سے عظیم علمی اور عرفانی انقلاب کا حامل ہے، کیونکہ قیامت کے ظاہراً و باطناً بہت سے اِنقلابی پہلو ہُوا کرتے ہیں، اور منجملہ (OUTOFALL) ایک یہ بھی ہے کہ امامِ اقدس و اطہر صلوات اللہ علیہ نے اپنے علمی معجزات میں سے اہلِ جہان کے سامنے ایک ایسا قیامت خیز تصوّر پیش کیا، جو کسی اور سے اس کا امکان ہی نہ تھا۔

آپ اِس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ بربنائے مصلحت و حکمت امامِ عالیمقامؑ کے پاک ارشادات نہ صرف زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق ہُوا کرتے ہیں، بلکہ ان میں اِنسانی ذہن و شعور کے مختلف درجات اور لوگوں کی عقلی رسائی کی جُدا جُدا سطحیں بھی پیشِ نظر رہتی ہیں، چُنانچہ امامتِ عالیہ کی بعض ہدایات کا خاص تعلق جماعت سے ہوتا ہے، اور کچھ تعلیمات کا رُخ اعلانیہ طور پر دُنیا بھر کے لوگوں کی طرف ہوتا ہے،

مگر یہ بحث اِس موضوع سے الگ ہی ہے کہ کوئی کتنا سُنتا ہے یا کیا کہتا ہے، سو یک حقیقت (MONOREALISM) کے باب میں جیسا کہ امامِ برحق نے ارشاد فرمایا ہے وہ دُنیا والوں کے سامنے اظہر من الشمس ہے، جبکہ یہ فرمانِ عظیم امام کے ایسے فرمودات میں سے ہے، جن کا تعلق بین الاقوامی سطح سے ہوتا ہے۔

یہ نظریہ اور تصوّر ہی کی بات ہے کہ لادینیت سے بُت پرستی اچھی ہے، کیونکہ بُت پرستی میں کسی برتر ہستی کا تصوّر ضرور ہوتا ہے، بُت پرستی کو ترک کر کے کسی پیغمبر کی پیروی کرنا بڑی سعادت اور عقلمندی کی بات ہے، جب حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پاک و پاکیزہ نبوّت و رسالت کا زمانہ آیا، تو اہلِ ادیان پر یہ واجب تھا، کہ وہ سرورِ انبیاء صلعم کے دستِ مُبارک پر دینِ مُبینِ اسلام کو قبول کریں، کیونکہ اِسلام نے خُدا کے آخری دین کی حیثیت سے تمام سابقہ ادیان میں بڑے پیمانے پر ترمیمات و اصلاحات کیں، اور اِس کی تعلیمات میں ترقی ہوتی رہی، اور یہ ایک روشن حقیقت ہے، کہ جس طرح مثال کے طور پر لادینیت اور دہریت سے تصوّرِ دین الگ ہو کر نشوونما پانے لگا، سابقہ انبیاً علیہم السّلام کے زمانوں میں بُت پرستی اور حق پرستی کے درمیان بحث سے جو آسمانی وحی کی روشنی میں ہوتی تھی اس

تصوّر کو بھرپور قوت ملی، اسی طرح اسلام میں اس کو کمال حاصل ہوا، آئمۂ اہلِ بیت کی ظاہری و باطنی تعلیمات کے زیرِ اثر تصوّف کے عروج کے زمانے میں تصوّرِ اُلوہیت کے لئے خاص خاص اصطلاحیں مقرّر ہوئیں، جیسے حقیقتِ حقائق، ہمہ اوست وغیرہ، اور آج اسی طرح "یک حقیقت" کا تصوّر تو اس عروج و ارتقاء کی چوٹی پر ہے۔

یہ حقیقت مانی ہوئی ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے، اور فطرت کی ایک عمدہ اور قابلِ فہم مثال یہ ہے کہ کسی میوہ دار درخت میں سب سے پہلے غنچہ پیدا ہوتا ہے، پھر تازہ پھول، پھر کچّا پھل، پھر پکّا پھل، اور بالآخر اس میں مغز پک کر تیار ہو جاتا ہے، جو باطن کی مثال ہے، جو لذّت و طاقت کے لحاظ سے بے مثال ہے، اور مغز میں یہ صلاحیت بھی ہے کہ اپنی نوعیّت کا ایک درخت اُگائے۔

اس بیان سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ سیارۂ زمین پر بسنے والوں کے دینی تصوّرات کی ایک بہت بڑی تاریخ ہے، جس میں رفتہ رفتہ اس تصوّر کی ترقّی ہوتی آئی ہے، اور یہ عصرِ حاضر میں "یک حقیقت" کے نام سے ترقی و عروج کی معراج پر پہنچا ہوا ہے۔

یک حقیقت کے حکمت آگین تصوّر میں اہلِ دانش کے لئے حقائق و معارف کی نقاب کُشائی کی گئی ہے، اور خُدائی اسرار کی تمامتر کلیدیں پردۂ مغیب سے باہر لائی گئی ہیں، توحید کے خزانوں سے جو کچھ بحدِ قوّت عطا ہونا چاہیئے وہ عطا فرمایا گیا ہے، اب اِس اُمید و یقین کو آگے بڑھانے کا کام بندوں کے ذِمّہ ہے کہ وہ علمی روشنی کے کس درجے میں اِس تصوّر پر نظر رکھتے ہیں۔

ظاہر میں ایسا لگتا ہے کہ ہر ماننے والا گروہ چشمۂ پاک قرآن سے اپنی نظریاتی زمین کی طرف تعلیمات (تفسیرات) کی ایک نہر تعمیر کر سکتا ہے، مگر کوئی حقیقی مہندس ہی یہ بتا سکتا ہے کہ سب سے پائیدار نہر کون سی ہے۔

ہمیں یک حقیقت کی کوئی مثال بھی تو چاہیئے، تاکہ اس کی مدد سے اصل مطلب کے سمجھنے میں آسانی ہو، چُنانچہ جاننا چاہیئے کہ اِنسان خود بھی ایک بے مثال حقیقت ہے، وہ حقیقت آدمی کی خودی اور "انا" ہے، جو ایک وحدت کی صُورت میں ہے، جس نے جسم و جان اور عقل کو ایک کر لیا ہے، وہ انائے عُلوی بھی ہے اور انائے سِفلی بھی، جسم کے تمام ذرّات کی یگانگت بھی ہے، اجزائے رُوح کی وحدت بھی اور عقل کے بکھرے ہُوئے موتیوں کی سالمیت

بھی اور چیزوں کو ایک کر دینا اِس کی صفت اور شان ہے۔

اِس سلسلے میں قرآنِ حکیم کا ایک پُر حکمت مفہوم زبردست ممدّ و معاون ہو سکتا ہے کہ خُداوندِ عالم نے اِنسانِ اوّل کی تخلیق کے ساتھ ساتھ سب اِنسانوں کو پیدا کیا تھا، یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اُس وقت تمام لوگ نفسِ واحدہ (۳۱/۲۸ یعنی انسانِ کامل) کے وجودِ رُوحانی کے ذرّات تھے، اور سارے کے سارے ایک ہی "اَنا" کی وحدت سے مُنسلک تھے، وہاں پر کثرت کا نام و نشان ناموجُود اور وحدت ہی وحدت تھی، مگر بعد میں یہ سب بشکلِ کثرت ظہور پذیر ہو گئے، اور آخرکار پروردگارِ عالم جُملہ نفوسِ خلائق کو بارِ اوّل کی طرح نفسِ واحدہ کی "اَنا" کے تحت دوبارہ زندہ کر دینے والا ہے، یہ مونوریالزم کی ایک شاندار قرآنی حقیقت ہے۔

اِس مقام پر عددی منطق کی ایک مثال بھی پیش کی جاتی ہے کہ ایک ہزار کے عدد پر تین صفر ہیں اور ایک واحد کی شکل ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ ہزار تک تمام اعداد اپنی شکلوں سے فنا ہو کر ہزار کے ساتھ ایک ہو گئے ہیں، کیونکہ صفر کے معنی ہیں فنا، یعنی دُنیائے اعداد دس پر جا کر فنا ہو جاتی ہے، پھر یہ سب کچھ سَو پر پہنچ کر فنا ہو جاتا ہے، پھر ایک ہزار پر، علیٰ ہذا القیاس، اور

ہر بار ایک کی ذات باقی رہتی ہے، یہ کُلّ شیٔ ہالک الّا وجہہٗ کی تاویل ہے، اور یہی مونو ریالزم ہے، کہ سب کی وحدت ایک کی وحدت ہے اور ایک کی وحدت سب کی، صفر کو ایک کا سہارا ہے، اور صفر تنہا کچھ نہیں، یعنی الگ ہو تو اس کی کوئی قیمت نہیں، جیساکہ حضرت بابا سیّدنا کا قول ہے:-

زہر کم کمترم گر بی تو باشم زگردون برترم گر با تو باشم

یعنی اگر میں تیرے بغیر رہا تو ہر چیز سے کمتر ہوں، اور اگر میں تیرے ساتھ ہوں تو آسمان سے بھی بالاتر ہوں، مطلب یہ ہے کہ مونو ریالزم کی مثال قوانینِ اعداد سے بھی روشن ہو جاتی ہے، جبکہ دس ۱۰، سَو ۱۰۰، اور ہزار جیسے اعشاریہ ہندسوں میں باقی سب اعداد فنا اور گم ہو جاتے ہیں، جس کی بدولت انکی وحدت ایک کی وحدت ہو جاتی ہے اور ایک کی وحدت ان کی وحدت بن جاتی ہے۔

ہمارا جسمانی وجود ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، اور ۹ میں سے کسی درجہ کا عدد ہے، اور ہماری رُوح صفر ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ رُوح کا یہ صفر کہاں ہے، اگر یہ ایک کے قرب و حضور میں ہے تو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے، اور اگر یہ اس سے الگ کہیں دُور ہے تو نہ ہونے کے برابر ہے، لہٰذا ہمیں ۲ سے ترقّی کر کے ۸ اور

۹ میں جانا چاہیئے، اور وہاں سے ایک میں فنا ہو جانا چاہیئے، تاکہ ہم نفسِ واحدہ (۳۱/۲۸) میں زندہ ہو جائیں گے، کہ سب کو اسی میں دوبارہ زندہ ہو جانا ہے۔

اِس بیان سے جو کچھ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے، اِس کی دو امکانی صُورتیں قابلِ غور ہیں، چُنانچہ اوّل یہ کہ آیا یہ ممکن ہے کہ وحدت سے ایک مُستقل کثرت پیدا ہو، اور ایسی کثرت اپنے وجُود سے فنا ہو کر وحدت میں مدغم بھی ہو جاتے؟ یا یہ ہو سکتا ہے کہ وحدت سے کسی طرح کی بھی کثرت پیدا نہ ہو، مگر اِس سے وحدتِ کثرت نُما کا ظہور ہو؟ اور یہی دُوسری صُورت بالکل دُرست اور صحیح ہے، کیونکہ جہاں اعداد کے سلسلے میں ایک کے بعد دو ہے، وہاں دو کا اپنا کوئی مستِقل وجُود ہی نہیں اور نہ ہی اِس کی دُوئی کوئی مُستقِل شئی ہے اِس حقیقت کا یقین اس وقت ہو سکتا ہے، جبکہ آپ دو کا تجزیّہ کریں گے، ظاہر ہے کہ دو سے ایک کو دو دفعہ اُٹھا لینے سے نہ تو دو کا وجُود باقی رہتا ہے اور نہ ہی کوئی دُوئی رہتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ دو میں ایک پوشیدہ تھا اور یہ وحدتِ کثرت نُما کی ایک بہترین دلیل ہے۔

یہ ہے "یک حقیقت" کی ایک تشریح اور انائے اِنسانی

کی وحدت کی مثال، کہ وہ اپنی رُوح کے لاتعداد ذرات کے باوجُود ایک ہی ہے، پس جاننا چاہئے کہ مونوریالزم کا ایک مکمّل نمونہ انسان میں موجُود ہے۔

نصیرالدّین نصیؔر ہونزائی

۱۲- مئی ۱۹۸۲ء

IISWLS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ذرّۂ خُدا ہماری کائنات

معلوم نہیں یہ دل کبھی تو گُلِ بے آب کی طرح مُرجھا جاتا ہے، اور کبھی غُنچۂ سیراب کی طرح خنداں و شادماں ہو جاتا ہے، مولا اپنے خزائنِ نوازشات سے میرے عزیزوں کو دائم نواز اکرے، جنہوں نے مجھے آج ایک خط کے ذریعہ یہ حوصلہ دیا کہ میں کچھ علمی باتیں لکھوں۔

"ذرّۂ خُدا ہماری کائنات" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی چھوٹی سے چھوٹی رحمت بھی ہمارے لئے ایک کائنات کے برابر ہے، اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اِس کی ہر صفت بیحد عظیم ہے، اسی طرح اِس کی رحمت و مہربانی بہت عظیم ہے، سو ہوشمند مومن کو چاہئے کہ وہ ہر آن پروردگار کی ایک رحمت کو حاصل کرے، یہ رحمت بظاہر بہت ہی چھوٹی سہی، مگر باطن میں بےانتہا عظیم ہوگی، کیونکہ رحمتِ خُداوندی آسمانی سیڑھی جیسی ہے، کہ ایک زینہ کے بعد دُوسرا زینہ آتا ہے تاآنکہ یہ سیڑھی زینہ بزینہ آسمانِ معرفت تک جاتی ہے۔

"ذرّۂ خُدا" حقیقی اور رُوحانی علم کی ایک چھوٹی سی بات ہے،

یہ چھوٹی اِس معنیٰ میں ہے کہ بہت ہی مختصر ہے، عام لفظوں میں ہے، اور بشر کے چھوٹے سے مُنہ سے ہے، مگر یہ اپنی جامعیّت اور قدر و قیمت میں عظیم ہی ہے، اور عجیب ہے کہ بعض دفعہ یہی ایک نکتہ بہت سے سوالات کے لئے جوابات مہیّا کر دیتا ہے، یہ گویا سو بیماریوں کی واحد دوا تھی، بلکہ سو خزانوں کی ایک ہی کلید، اے کاش! مجھ سے ذرّۂ خُدا کی کوئی تعریف ہو سکتی، میں نے تو اپنے کم مایہ لفظوں سے اِس کی مرتبت کم کر دی۔

ذرّۂ خُدا نیک توفیق ہے، سو ہر وقت نیک توفیق طلب کی جاتے، اگر حق تعالیٰ سے ذرّہ برابر توفیقِ نیکی عطا ہوتی ہے، تو اس کو ہرگز نظرانداز نہ کیا جاتے، کیونکہ یہ توفیق بندۂ مومن کو دُوسری توفیق تک پہنچا دینے والی ہوتی ہے، اور یہ ایک نُورانی زنجیر ہے جس کی لاتعداد کڑیاں ہیں اور یہ سلسلہ یعنی زنجیر حلقہ بہ حلقہ (کڑی کڑی) خُدا تک پہنچتی ہے۔

ذرّۂ خُدا بہ ارشادِ امامِ اقدس و اطہر نُور کی چنگاری ہے، جو ہر بندۂ مومن کے دِل میں موجُود ہے، یہ ہے تو ذرّہ، مگر اس میں یہ صلاحیت موجُود ہے کہ صحیح پرورش کے بعد یہ ایک مکمّل نُور بن جاتا ہے، اِشاراتِ قرآن میں ہے کہ شروع شروع میں روشنی بہت ہی معمُولی اور کم دکھائی دیتی ہے، مگر یہ رفتہ رفتہ نُورِ خُدا

بن کر سامنے آتا ہے، قصۂ قرآن میں نورِ طور کا واقعہ پڑھا جائے۔
ذرّۂ خُدا آسمانِ علمِ الٰہی کے نورانی بادلوں کا ایک قطرہ ہے، وہ بیشک ایک بُوند ٹپکتی ہے، مگر اس سے دِل میں ایک دریا موجزن ہو جاتا ہے، ایک ایسا لفظ جو تمام الفاظ کا بادشاہ بن کر جملہ مطالب کا مرکز بنے، ایک ایسی مثال جس کی تمام مثالیں غلامی اختیار کریں، ایک ایسا کلمہ جو عالمِ امر کی بلندیوں کو چھُو جائے، اور ایک ایسا خزانہ کہ بس علم کا آخری سرچشمہ وہی ہو۔

جان رکھنا کہ علم جہاں اُوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے تو وہ وہاں پھیلتے پھیلتے آتا ہے، اور جس طرح یہ نیچے سے اُوپر کی طرف بلند ہو جاتا ہے تو یہ سمٹتے سمٹتے چلا جاتا ہے تا آنکہ یہ ایک موتی اور ایک کلمہ میں یکجا ہو جاتا ہے، موتی گوہرِ عقل ہے اور کلمہ ہے کلمۂ باری۔

جس طرح علم کی بلندی کی طرف جانے میں فائدہ ہے اِسی طرح علم کی پستی کی طرف جانے میں نقصان بلکہ بڑا نقصان اور باعثِ گمراہی ہے، اور علم کی پستی مقامِ اختلافات ہے، جہاں سے لوگ کبھی چھٹکارا نہیں پا سکتے ہیں، اور خُداوند عالم کے ارشادات میں سے ایک کا مفہوم یہ ہے کہ خُدا جس کو چاہے تو علم میں گمراہ کر دیتا ہے، اِس کا اشارہ علم کی سب سے نچلی سطح کی طرف ہے، جہاں اِختلافاتِ روایات کا طوفان موجود ہے۔

پائیناب ترکی میں اُس پانی کا نام ہے جو کسی باغ یا کھیت کو سیراب کرکے نکلتا ہے، یہ لفظ اصل میں "پائین آب" ہے جو فارسی ہے، بُرُشسکی میں اس کا ترجمہ "ہُرچل" ہے جو اِن چل کے برعکس ہے، لوگ ہر جگہ پائین آب یعنی ہُرچل کو وہ اہمیت نہیں دیتے ہیں جو صاف نہر کے پانی کو دی جاتی ہے، اِس دُنیا میں حضرت مولانا مُرتضےٰ علی صلوات اللہ علیہ کا ایک پسندیدہ کھیت اور ایک خُوبصُورت باغ ہے، جس کی آبیاری بحکمِ خُدا پیغمبرؐ اور امامؑ کرتے ہیں، اور مذہب حقہ کی زمین سے "پائین آب" یعنی ہُرچل دُنیا والوں کی طرف جاتا ہے، اَب یہ پائین آب ہماری اِس زمین کو نہیں چاہیئے۔

عزیزانِ من! رُوحی فداکُم! اِس ناچار درویش کو لفظِ ذرّہ بہت ہی پیارا ہے، وجہ ظاہر ہے کہ اِس نے ذرّہ اور ذرّات میں بہت کچھ دیکھا، اور وہ یہ چاہتا ہے کہ اِس کے عزیزان ذرّہ کی حکمت کو سمجھیں، وہ ذرّہ ذرہ عبادت میں ترقی کریں اور ذرّہ ذرّہ علم میں آگے بڑھیں، وہ ذرّہ بھر غفلت کو گُناہ سمجھیں تاکہ کامیابی ہو۔

یاد رکھو کہ دین کے اعلیٰ کُتب میں جو علم کی خاص خاص باتیں ہیں وہ امامِ اقدس کے ارشاد کی توضیحات ہیں، اِسی لئے کہتا ہوں کہ یہ باتیں

نورِ منتشر کی طرح ہیں، پس جو مومن دینی علم کے نور کو کثرت سے جذب کرے، وہ انشاء اللہ ایک دن اپنے اندر عملی نور کو پائے گا اور وہ بیحد مسرور و شادمان ہوگا۔

عزیزانِ من! اگر دنیاوی طور پر کوئی دکھ ہو تو اس کی پروا نہ کرنا، کیونکہ آج دنیا میں جو لوگ مادی اور جسمانی طور پر بڑے سکھی ہیں مگر ان کو ایمان کی سعادت حاصل نہیں تو حقیقت میں وہی لوگ بڑے دکھی اور بدقسمت ترین ہیں، اور آپ کے ایمان اور حقیقت کی جو دولت ہے وہ ایسی گرانقدر اور لازوال ہے کہ پوری دنیا کی بادشاہت اس دولت کے ایک ذرّے کے برابر نہیں، پس جب بھی ہم دنیا کی کسی تکلیف سے جزع فزع کرتے ہیں تو یہ ہماری نادانی ہے۔

میرے بہت ہی پیارے بچو! امام عالیمقام کے ہر ہر فرمان کا مطالعہ کرنا، اور روحانی ترقی سے متعلق ارشادات کو جن سے حوصلہ ملتا ہے خاص طور پر پڑھنا، یاد رہے کہ مومن ہمیشہ عالی ہمت ہوا کرتا ہے، وہ ہر روز صبح نورانی وقت میں جاگا کرتا ہے، انسان جو اپنے درجے سے آگاہ نہیں اور جو سست و غافل ہے، وہ حیوانیت کی پستی میں گر کر تباہ ہو جاتا ہے، خداوندِ عالم جملہ مومنین و مومنات کو اس حالت سے بچائے اور نورِ ہدایت کی روشنی میں آگے بڑھائے،

خداوندا! خداوند! ہمارے عزیزان ہر وقت اِس درویش کی دستگیری کرتے ہیں، وہ اِس چھوٹی سی علمی خدمت کو آگے بڑھاتے ہیں، وہ ہمیشہ تیری رضا چاہتے ہیں، سو ان کو نوازنا! آمین یاربّ العٰلمین!!

فقط دُعاگو

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

۲۳ / مارچ ۱۹۸۲ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

قصۂ آدمؑ کے جامع الجوامع اور پُر حکمت الفاظ

قرآنِ مقدس میں حضرت آدم علیہ السّلام کا قصّہ عظیم حکمتوں سے بھرپُور اور بہت سے اعتبارات سے کلیدی اہمیّت کا حامل ہے، اگر چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے تو یہ قصّہ جو اسرارِ ربّانی سے مملو ہے نہ صرف دین کے آغاز کی نمائندگی کرتا ہے، بلکہ یہ اس کے انجام کا بھی آئینہ دار ہے، لہٰذا ہر دانشمند مومن پر واجب ہے کہ وہ اِس میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کرے، تاکہ وہ اصولی اور بُنیادی نوعیّت کے اسرارِ خداوندی سے باخبر ہو سکے۔

آج ہم یہاں اِس سلسلے میں توفیقِ خُداوندِ برحق اور پنجتنِ پاک کے صدقے سے حقیرانہ سعی کرتے ہیں، کہ شاید یک حقیقت کی پیاری پیاری رُوحیں ہمارے لئے تائیدی فرشتوں کا کام کریں، اور اِس بحرِ عمیق سے کچھ گوہرِ گرانمایہ ہاتھ آئیں۔

ربّ قصۂ آدم و آدمیّت کے جملہ الفاظ میں نورِ مبین اور آفتابِ یقین اسمِ "ربّ" ہے، جو خُدائے واحد و یکتا کا بابرکت نام

ہے، جس کا مطلب پروردگارِ عالمین ہے، یہ پاکیزہ نام اپنے ظاہری اور باطنی معنوں میں ہر گونہ پرورش کی ضمانت رکھتا ہے، اور اس میں آسمانی رحمتوں اور محبتوں کا تصوّر پوشیدہ ہے، کیونکہ جسمانی مثال میں جہاں والدین اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں وہاں پدرانہ و مادرانہ شفقت و محبّت لازمی ہوتی ہے، اور خداوند عالم اپنی مخلوق پر نہایت ہی مہربان اور انتہائی پاک و اعلیٰ محبتوں کا سرچشمہ ہے، چنانچہ ربّ کے مختلف معنوں کے تحت کائنات و موجودات کی پرورش ہوتی رہتی ہے، یعنی پروردگار سب کو مختلف مدارج پر پالتا ہے، اور اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ ربّ کریم مخلوق کو جسمانی، رُوحانی اور عقلی پرورش کے طویل سلسلے میں درجۂ انتہا تک پہنچا سکتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں آیاتِ کریمہ دُعائیہ انداز میں وارد ہوتی ہیں وہاں وہ اکثر "رَبّ" کے مُبارک نام سے شروع ہو جاتی ہیں، خُدا شناسی جو دینِ حق میں مقصدِ جمیعِ مقاصد کا درجہ رکھتی ہے، وہ جُملہ اسماءُ اللہ میں سے اسمِ "رَبّ" کے عنوان کے تحت ہے، یعنی اِرشاد ہے کہ من عرف نفسہ فقد عرف رَبّہٗ۔

اِس موضوع کے سلسلے میں قرآنی تفصیلات میں جانے سے قبل سورۂ فاتحہ پر نظر ڈالی جائے کہ یہ اُمّ الکتاب ہے، اِس لئے یہاں

جو کچھ ہوگا وہ بڑا جامع اور سمجھنے کے لئے آسان ہوگا، چنانچہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اِس پاک سورہ میں صرف چند اسماءُ اللہ نمایاں ہیں، باقی پوشیدہ ہیں، اور جو ظاہر ہیں اُن میں سب سے پہلے "اللہ" ہے، اور اس کے بعد "رَبّ" ہے، مگر اللہ ایسا نام ہے کہ اسمِ صفت ہونے کے باوجود اسمِ ذات کی جگہ استعمال ہوتا ہے اِس لئے خواص کے سوا دُوسرے درجے پر اس سے کچھ بھید نہیں کھل سکتے ہیں، اور رَبّ ایسا نام ہے کہ یہ عام سے عام اور خاص سے خاص ہو کر اپنے بہت سے مفہومات کو واضح کر دیتا ہے، نیز آپ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ کی ساری تعریف رَبّ کے اسم میں ظاہر ہو جاتی ہے، اور الحمد میں دُوسرے جتنے بھی خُدا کے نام ہیں وہ "رَبّ" کے اسم کی تشریح ہیں، مثلاً یہاں اِس ربطِ کلام میں رحمان اور رحیم کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جو ہر ہر عالم کا پروردگار (یعنی پرورش کرنے والا) ہے وہ بڑا مہربان اور رحم والا ہے، اِس لئے اِنسان کی رُوحانی اور عقلی پرورش کے وسیلے کو ہر وقت مہیّا رکھنا چاہتا ہے اور اس کو درمیان سے اُٹھا لینا اس کے قانونِ رحمت کے خلاف ہے۔

نیز رحمان و رحیم کا ایک اہم اشارہ یہ بھی ہے، کہ اسمِ ربّ کے مظہر یعنی خلیفۂ زمان سے محبّت ہو تو رُوحانی اور عقلی پرورش

حاصل ہو سکتی ہے، کیونکہ رحمان و رحیم کے دونوں نام "رحم" کے مادّہ سے ہیں اور رحم کے معنی مہر (محبّت) کے ہیں، آپ اس مطلب کی تحقیق کر سکتے ہیں، مثلاً: ۲۱:۳۰ کو دیکھیں کہ رحمت کے معنی محبّت ہیں۔

مزید کہنا یوں ہے کہ الحمد میں جس طرح رحمان و رحیم کے دونوں اسم ہیں وہ اپنے معنوں میں رُوحانی اور عقلی پرورش سے متعلق جتنی بھی مایوسی ہے اس کو ختم کر دیتے ہیں اور زبانِ حکمت سے کہتے ہیں کہ اللہ رحمان و رحیم یعنی نہایت ہی مہربان (مہر والا) اور رحم والا اس معنی میں ہے کہ اُس نے اِسی زمین پر ہی اپنا خلیفہ جو صفتِ ربّ کا مظہر ہے مقرّر فرمایا ہے تو تُم بھی اِنسانی حد کی صفتِ مہر سے (جس کا رحمان و رحیم سے ایک گونہ رشتہ ہے) مظہرِ خُدا کے ساتھ رابطہ قائم کرو، تاکہ تمہاری دینی اور دُنیاوی ہدایت کا سِلسلہ قائم رہے۔

اے عزیزانِ من! آپ خود انڈیکس کی مدد سے یہ ضرور دیکھیں کہ رَبّ کا مُبارک اِسم قرآنِ پاک میں کُلّ کتنی دفعہ آیا ہے، تاکہ اِس سے آپ کو بخوبی یہ اندازہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اِس عظیم نام میں اسرارِ رُبوبیت کا ایک بہت بڑا خزانہ پوشیدہ ہے، اِس کے علاوہ دینی کتب میں جہاں جہاں ربّ اور ربوبیّت کی تشریح کی گئی ہے اس کو بھی دیکھنا، تاکہ علمِ دین کی روشنی میں اضافہ ہو۔

آپ میرے اِس اہم موضوع کو بنیاد سے سمجھنے کے لئے قرآن پاک کی سورتِ بقر آیت نمبر ۳۰ کو سامنے رکھیں، کیونکہ قصّہ حضرت آدمؑ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے، چُنانچہ آپ اِس ارشادِ گرامی کو دیکھتے ہیں کہ :-

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (۲/۳۰) پس اِس آیہ مُبارکہ کی عالیشان حکمتوں کی کلید مقدّس لفظ "رَبُّكَ" میں پوشیدہ ہے، وہ اِس طرح کہ خُداوندِ عالم جس شخصِ کامل کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا اِرادہ فرماتا ہے اِس کو زیادہ سے زیادہ اسمِ "ربّ" کی نمائندگی دینا چاہتا ہے، تاکہ اِس دُنیا میں جہاں مادّی طور پر کسی چیز کی کمی نہیں وہاں دینی اور رُوحانی پرورش کا سرچشمہ بھی ہمیشہ کے لئے مہیّا رہے، تاکہ قیامت کی سب سے بڑی عدالت گاہ میں کوئی فردِ بشر یہ کہہ نہ سکے کہ خُدا نے دُنیا میں جسمانی پرورش کے ہر گونہ وسائل مہیّا کر دیئے تھے، مگر رُوحانی تربیت کا کوئی وسیلہ موجُود اور حاضر نہ تھا۔

رَبُّكَ میں "كَ" کی ضمیر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ ربِّ کریم کی عطا کردہ خلافت و نیابت جس کا سب سے بڑا مقصد رُوحانی اور عقلی پرورش ہے زمانۂ آدم سے چلی آئی ہے اور قیامت القیامات تک اِس کو جاری

رہنا ہے، اور یہ حضورِ اکرمؐ اور آپ کے جانشینوں کے پاک سلسلے میں قائم رہے گی۔

یہاں یہ بتا دینا مقصود ہے کہ حضرت آدمؑ کو رُوئے زمین پر جو خلافتِ الٰہیہ عطا ہُوئی تھی وہ سب سے پہلے اور سب سے نمایاں طور پر اسمِ "ربّ" کی خلافت و نیابت تھی، اور اِس کے یہ معنی ہیں کہ آپ اہلِ ایمان کی رُوحانی اور عقلی پرورش کرتے تھے، اور آپ نے جس طرح فرشتوں کو علمِ اسماء کی تعلیم دی یہ رُوحانی اور عقلی پرورش ہے، اور یہ کام یعنی فرشتوں کو تعلیم دینا خلیفہ" خُدا کے سوا کوئی نہیں کر سکتا ہے۔

ملائکہ اِس آیۂ مقدّسہ میں، جو قصۂ آدم علیہ السّلام سے متعلق ہے، ترتیب کے لحاظ سے دُوسرا لفظ "ملائکہ" ہے، جو مَلک کی جمع ہے جس کا مطلب ہے فرشتے، جن میں عزازیل بھی تھا، جن کے سامنے خُدا تعالیٰ نے اِس امرِ عظیم کا اعلان فرمایا کہ وہ پاک و برتر رُوئے زمین پر اپنا ایک خلیفہ (نائب = جانشین) مقرّر کر دینے والا ہے، اَب یہاں اِن فرشتوں کے بارے میں انتہائی گہرے سوالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ فرشتے کون سے تھے جمالی یا جلالی؟ یعنی آیا اُن میں عقلِ کُلّی، نفسِ کُلّی اور حاملانِ عرش جیسے عظیم فرشتے بھی تھے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اُن فرشتوں سے ایسے لوگوں کی رُوحیں مُراد ہوں جو زمانہ

آدم سے تعلق رکھتے تھے؟ اور اگر جواب یہی ہوا تو بیشک ہم اِس موضوع میں آگے چل سکتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ :۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ ...... (۶/۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے اِنسی اور جِنّی شیاطین کو ہر نبی کا دُشمن بنایا وہ لوگ ایک دُوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کی سرگوشی کرتے ہیں تاکہ اس سے فریب دینے کا کام چلے۔

اِس پُرحکمت آیت سے اوّل تو یہ ظاہر ہے کہ ہر دَور اور ہر زمانہ کے شیاطین الگ ہوتے ہیں، یعنی ہر نبی اور ہادی کے دُشمن ہی شیاطینِ اِنسی کہلاتے ہیں، اور انکی بدبخت رُوحیں شیاطینِ جِنّی ہوتی ہیں، دُوسرا یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اِسی اٹل قانونِ خُدائی کے مطابق زمانۂ آدم میں بھی کچھ نافرمان اور شریر لوگ تھے، وہ جسمانی طور پر حضرت آدمؑ کے لئے اِنسی شیاطین تھے اور رُوحانی طور پر جِنّی شیاطین، رُوحانی شیطان اور جسمانی شیطان کے آپس میں سرگوشی ظاہر ہے، مگر ذرا باریک نکتہ اِس حقیقت کے جاننے میں ہے کہ کس طرح رُوحانی شیطان اور جسمانی شیطان ایک دُوسرے کو سرگوشی کرتے ہیں، وہ یہ ہے

کہ شیطان شخص کی شخصیت اپنی بدنصیب رُوح یعنی نفس کے وسوسے کے تحت ہے، بالکل اِسی طرح شخصیت کے قول و فعل سے اِشارہ (یُوحِیْ ۶/۱۱۲) نفس کو ملتا رہتا ہے۔

جب یہ مطلب صاف اور روشن ہُوا کہ زمانۂ آدم کے منکر لوگ جو انکار میں پیش پیش تھے اور جن کی حضرت آدم سے دُشمنی تھی، وہ جسمانیت میں شیاطینِ انسی کہلاتے تھے نفسِ شوم کی طرف شیاطینِ جنّی، تو اِسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اُس وقت کے مومنین جسم میں جسمانی فرشتے اور رُوح میں رُوحانی فرشتے تھے، اور قصّۂ آدم کی ساری حقیقتیں اِسی تصوّر کے مطابق ہیں، اور تمام متعلقہ سوالات اسی روشن تصوّر کی بدولت حل ہو جاتے ہیں۔

قصّۂ آدم کے ظاہری اور باطنی دو پہلو ہیں، اِس لئے کہ ہر پیغمبر اور ہر امام کے دو عظیم مرتبے ہوتے ہیں، مرتبۂ ظاہر اور مرتبۂ باطن، چنانچہ آدم صفی اللہ پر باطن اور رُوحانیت میں جو عظیم عظیم واقعات گزرے تھے وہ ظاہری حالات سے کہیں زیادہ عجیب و غریب، پُرحکمت اور اسرارِ معرفت سے بھرپور تھے، لہٰذا یقین رکھنا چاہئے کہ قصّۂ آدم کا زیادہ سے زیادہ تعلق تاویلِ باطن کے ساتھ ہے۔

یہاں پر ایک مثال درج کی جاتی ہے تاکہ جس سے ہر ہوشمند کو یہ اندازہ ہو کہ کس طرح حضرت آدم کے قصّے میں تاویل کا زیادہ رجحان ہے، اور وہ مثال یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں لفظِ "سجدہ" اپنے معنی کے لحاظ سے جُھکنے اور اصطلاحاً سربسجود ہو جانے سے متعلق ہیں، کامل اور مکمّل ہے اور قرآن کے بہت سے مقامات پر جہاں کسی قسم کے سجُود کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں لفظِ سجدہ اپنے کسی بھی صیغے کی شکل میں اکیلا ہی استعمال کیا گیا ہے، لیکن جہاں آدم کے لئے فرشتوں کے رُوحانی سجدے کا ذکر ہے وہاں پر اللہ کے حضور سے سجدے کا صیغۂ امر مخصُوص انداز سے اور دو لفظوں میں فرمایا گیا ہے، اور وہ ہے:۔

فقعواله ساجدین (۱۵/۲۹ ، ۳۸/۷۲) اِس میں غور طلب اور تاویلی لفظ قعوا ہے جو وقع کے مادّہ سے ہے، جس میں گر جانے کے لئے حُکم ہے اور ساجدین میں سجدہ کرنے کا حُکم ہے جو تنہا اسجدوا کی صُورت میں کافی ہے، مگر یہاں جس طرح یہ دونوں لفظ مل کر آتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ عالمِ ذرّ (رُوحانی عالم) میں ارواحِ مومنین کے ذرّات نے خلیفۂ خدا کے لئے جس طرح سے سجدۂ تعظیم و اطاعت بجا لایا، اِس کی کیفیت یہ تھی کہ یہ ذرّی فرشتے جو کو کبی جسم اور رُوح سے مرکّب تھے آدم کے پاک جسم میں

گر پڑے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم اصولی بات یہ ہے کہ ہم ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی آئینۂ اُسوۂ رسولؐ کو سامنے رکھیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کسی شک کے بغیر جملہ انبیائے کرام کے رُوحانی فضائل کا مجموعہ تھے، کیونکہ پاک حدیث میں انبیاء علیہم السّلام کو نفسِ واحدہ کہا گیا ہے اور نبوّت کا کامل و مکمّل ظہور آنحضرت کی پاکیزہ شخصیّت میں ہُوا ہے، اور انہی معنوں میں قرآنی ارشاد ہے کہ :-

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (۲/۲۸۵)

(اور کہتے ہیں کہ) ہم خُدا کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر عظیم پیغمبروں کے رُوحانی مشاہدات اور رُوحانیت الگ الگ ہوتی تو معرفت کے جُدا جُدا حصّے بخرے ہوتے تو کسی ایک میں بھی کامل ہدایت و معرفت نہ ہوتی، مگر یہ بات نہیں ہے، اور مختصر بات یہ ہے کہ سردارِ انبیاءؐ ہر صورت میں آدم کے فضائلِ معنوی رکھتے تھے، اور آخر میں کہنا یہ ہے کہ آنحضرت بھی رُوحانیت میں آدمؑ کی طرح مسجُود ملائک تھے، کیونکہ آپؐ کی ذات میں خُدا نے اپنی پاک رُوح پھُونک دی تھی۔

اب اِس تصوّر سے قصّۂ آدمؑ، شیطان، ملائکہ وغیرہ

پر کافی روشنی پڑتی ہے، کہ زمانۂ رسولؐ کے اِنسی شیاطین کب اِس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ سے دُشمنی کرنے کی وجہ سے بحکمِ قرآن (۶/۱۱۲) وہ لوگ جسم میں اِنسی شیاطین اور رُوح میں جنّی شیاطین قرار پائے ہیں، اور عام مومنین کب یہ کہتے تھے کہ وہ اپنی رُوحانیت میں فرشتے ہیں، اِن پر یہ راز کہاں ظاہر تھا کہ انکی رُوحوں پر زمانۂ آدم کے فرشتوں کے واقعات گزر رہے ہیں، اِس دلیل سے یہ معلوم ہُوا کہ قصّۂ آدم کا بیشتر حصّہ پردۂ تاویل میں پوشیدہ ہے، اِسی لئے کہا گیا ہے کہ اگرچہ بظاہر یہ قصّہ ایک ہی آدم سے متعلق نظر آتا ہے، لیکن از رُوئے حقیقت یہ بہت سے آدموں کے سلسلۂ غیر مُتناہی کا قصّہ ہے، جس طرح قرآن میں اسمِ "اِنسان" واحد کو جمع کے لئے اِستعمال فرمایا گیا ہے، تو یہ اہلِ دانش کے لئے ایک قابلِ فہم اشارہ ہے کہ بالکل اِسی طرح اسمِ "آدم" ہے جو واحد ہے، مگر اس کا مقصد جمع کے لئے ہے۔

آپ کا خادم

نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

۶- اپریل ۱۹۸۲ء

کینیڈا

مومن اور اُس کے اہل وعیال

سورۂ تحریم (۶۶/۶) میں خُداوندِ قدّوس مومنین اور اُنکے اہل و عیال کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ :-

" اے ایمان والو ! اپنے آپ کو اور اپنے لڑکے بالوں کو (جہنّم کی) آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے "

اِس آیۂ مبارکہ میں غور کرنے سے کئی بنیادی حقیقتیں واضح ہوجاتی ہیں، اور سب سے پہلے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ پروردگارِ عالم نے اپنے مومن بندوں کے لئے نجات کے جُملہ وسائل مہیّا کر دیئے ہیں، اور اگر خُدا کی طرف سے کسی چیز کی کمی ہوتی تو ایسا نہ فرمایا جاتا، مطلب یہ ہے کہ بندۂ مومن نہ صرف اپنی جان کی فلاح و نجات کی ذمّہ داری رکھتا ہے بلکہ وہ اِس کے علاوہ ایک طرح سے اپنی اولاد کا بھی ذمّہ دار ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اولاد مومن کی زندگی کا حصّہ ہے، اِس زندگی میں بھی اور دُوسری زندگی میں بھی علاحدگی اور جُدائی نہیں، بلکہ اولاد مومن کی جدید اور تازہ تر بشریت و جسمانیت کا درجہ رکھتی ہے، اور

اس میں ہر قسم کی اولاد کی بات آگئی، یعنی جن جن حقیقی معنوں میں والدین اور ان کی اولاد ہُوا کرتی ہے، اُن سب کے لئے یہ اشارہ کافی ہوگیا کہ بچّے والدین کے لئے نئی زندگی اور جدید خُوبصُورت لباس ہیں۔

چُنانچہ مومنین کو چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کی دینی اور رُوحانی پرورش بہتر سے بہتر طریقے سے کریں، اور اِس مقدّس فریضہ کی انجام دہی میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں، آپ کو معلوم ہے کہ نُورِ امامت کے پاک حضور سے کتنی ایسی روشن ہدایات ہیں، جن میں اولادِ مومن کی دینی اور دُنیوی تعلیم و تربیت پر زور دیا گیا ہے۔

اس بندۂ درویش نے بعض مومنوں کو اپنی اولاد کی رُوحانی تعلیم کے سلسلے میں جس حال میں دیکھا ہے، اس کی ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے، چُنانچہ میرے عزیز عزیزان محمّد علی نُور محمّد جناح جو صفِ اوّل کے اسماعیلی جان نثاروں میں سے ہیں جن کی جماعتی خدمات کا قصّہ کافی طویل ہے، جو ادارۂ عارف کی جان ہیں اُنہوں نے امامِ عالی مقام ؑ کے پاک ارشادات کی روشنی میں اپنے فرزندِ دلبند لیاقت علی میں ایمان کی ایسی رُوح پھونکدی ہے، کہ نوسالہ لیاقت علی جو ایک خُوبرُو اور صحت مند لڑکا ہے، اپنی روزانہ عبادات میں باقاعدہ ہونے کے علاوہ بہت سی دینی باتوں کو جانتا ہے، وہ کلاس فورتھ گروپ A

کا سٹوڈنٹ ہے، جس میں انگریزی اور فرنچ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، اور وہ ان دونوں دُنیا کی سب سے وسیع زبانوں میں خوب گفتگو کر سکتا ہے۔

میرے چھوٹے دوست لیاقت علی میں بے شمار صلاحیتیں پوشیدہ ہیں، مگر ایک بہت بڑی خوبی جو اس وقت نمایاں ہے، جس کو دیکھ کر میں بیحد مسرور و شادمان ہو جاتا ہوں، یہ ہے کہ یہ عزیز ہر صبح بلاناغہ ایک مختصر فرمانِ اقدس کو پڑھ کر سُناتا ہے، اُس نے اپنے دُور اندیش والدِ محترم کی بدولت یہ فریضہ اپنی پیاری عادت میں داخل و شامل کر لیا ہے، اور اب یہ مُبارک کام اُس کو اور دیکھنے والوں کو بڑا مزہ دیتا ہے۔

اِس پیارے گھر میں مذہبی اور رُوحانی سکون کے بہت سے سامان موجود ہیں، یعنی سب سے پہلے امامِ برحق صلوات اللہ علیہ کے مبارک ارشادات کا ایک بہت عظیم خزانہ، گانوں کا ذخیرہ، دینی کتب کی لازوال دولت اور مذہبی کیسٹوں کی ایک دُنیا، چنانچہ عزیزم لیاقت علی کے لئے خاص کیسٹ بنے ہوتے ہیں، اور پاک دُعا کے صحیح تلفظ کیلئے جناب فقید محمد صاحب ہونزائی کی رُوح پرور قرأت ریکارڈ کی گئی ہے، جس کو ریکارڈر کے ذریعہ لیاقت علی بار بار سُنتا

رہتا ہے، تاکہ تلفظ درست ہو۔

اِس نیک بخت بچے نے ابھی سے مذہبی باتیں نوٹ کرنا شروع کیا ہے، اِسی مقصد کے لئے اُس نے الگ نوٹ بک رکھی ہے جس میں اُس نے کئی باتیں درج کر لی ہیں اور اس میں کہیں کہیں ڈایاگرامز کے خاکے بھی ملتے ہیں، وہ بعض دفعہ سوالات بھی کرتا ہے، جو بڑے گہرے ہوتے ہیں۔

لیاقت علی عرصۂ دو سال تک نائٹ سکول جاتا رہا ہے حالانکہ مذہبی نائٹ سکول انکے دولت خانہ سے بہت دُور ہے۔ وہ اپنے والد صاحب کے ساتھ جماعت خانے جاتا ہے، خُداوند رحمان و رحیم لیاقت علی اور تمام عزیزوں کو اس سے کہیں زیادہ عالی ہمتی اور ہر طرح کی کامیابی عطا فرمائے! اسی طرح تمام اسماعیلیوں اور انکی اولادوں کو دین و دُنیا کی سعادت حاصل ہو! آمین یاربّ العٰلمین!!

فقط دُعاگو خادم

نصیر الدّین نصیر ہونزائی

۲۶- مارچ ۱۹۸۲ء

تحفۂ تقدیر و تشکّر

بخدمتِ

جناب، علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی صاحب

محترم و گرامی قدر علّامہ صاحب!

ہر چند کہ ہم اِس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ محض الفاظ ہمارے احساسات کی ترجمانی نہیں کر سکتے، پھر بھی ہم چاہتے ہیں کہ گزشتہ چند مہینوں میں آپ نے اپنے قیامِ مونٹریال کے دوران علمی میدان میں ہماری جو تربیت فرمائی ہے، اور اِس کے لئے ہمارے اندر جو عمیق احساسات پائے جاتے ہیں، اُنکو انتہائی قدر دانی و شُکر گزاری کے تحفۂ حقیر کے طور پر الفاظ کی صُورت میں قلمبند کر کے پیشِ خدمت کریں۔

جب ہم آپ سے پہلی مُلاقات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں بلا تذبذب و تردّد یقین ہوتا ہے کہ مولانا حاضر امام علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اپنی نوازش سے ہمیں اسماعیلی مذہب کے عظیم علمی

خزانے میں بصیرت عطا کرنے کے لئے آپ کو یونیورسٹی آف مونٹریال کے ایک رفیقِ تحقیق (RESEARCH ASSOCIATE) کے بہانے ہماری طرف بھیجا تھا، آپ کو ہماری طرف بھیجنے کی اِس مہربانی پر ہم تا ابد اپنے خُداوند کے شکر گُذار رہیں گے۔

علّامہ صاحب! ماہِ فروری (۱۹۸۲ء) میں آپ کی مونٹریال تشریف آوری کے بعد آپ کے ساتھ مجالس کی خُوشگوار اور حیرت انگیز یادوں سے بھرپُور ایام اور ہفتے نہایت ہی سُرعت و تیزی سے گُذر گئے، آپ نے ہمیں گریہ وزاری (کرنے) کی حقیقی خُوبی کی تعلیم دی، آپ نے ہمیں ہمارے مقدس اسماعیلی مذہب کے لاانتہا معجزات سے شناسا کر دیا، اور ہمارے اندر مولانا حاضر امام علیہ افضل التحیّۃ والسّلام کے لئے والہانہ اور عمیق شوق اور اِس ذاتِ بابرکات سے حصُولِ علم کے لئے پُرخلوص عالی ہمتی کو بیدار کر دیا۔

بُزرگوار! ہمارے سوالوں کے جواب دینے میں آپ کی تواضع وتحمّل سے ہم صحیح معنوں میں متاثّر ہُوئے ہیں، آپ کا بے پایان علم، آپ کی دینی موضوعات و مطالب کو منطق کی روشنی میں بیان کرنے کی قابلیت، آپ کا سائنسی طریقِ استدلال اور آپ کی دائمی

فروتنی وانکساری ہمارے لئے نفخۂ رُوح کے سرچشمے اور اِنشاء اللہ قابلِ تقلید نمونے کا کام دیں گی۔

بزرگوار! ہم نے اسماعیلی مذہب کی گذشتہ تاریخ میں پڑھا ہے کہ اسماعیلی مذہب کی روشنی پھیلانے کے لئے بہت سے داعی عرب اور ایران سے مشرقِ بعید کی طرف جاتے تھے، لیکن مولانا حاضر امامؑ نے ہمارے خصوصی فائدے کی خاطر آپ جیسے داعی کو مشرق سے مغرب کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ اِس شرارے کو روشن کریں جو ہم سب میں موجود ہے۔

آپ کی اہم موضوعات پر تقاریر: یک حقیقت، اصل میں واصل، شرارۂ الٰہی وغیرہ ہمیشہ کے لئے ہمارے ساتھ رہیں گی، اور اِنشاء اللہ علم کی اِسی مضبوط و مستحکم بُنیاد پر ہم اپنی علمی عمارت تعمیر کرنے کی کوشش کریں گے۔

صاحب! ہمارا قرآنی علم افسوسناک حد تک ناکافی رہا ہے، علمِ تاویل پر آپ کی تقاریر نے ہمارے لئے مکمل طور پر علم کے نئے راستے کھول دیئے ہیں۔

اِن احسانات کے لئے اور ان سے کہیں زیادہ اُن احسانات کے لئے جن کو ہم بصورتِ تحریر ظاہر نہیں کر سکتے ہم ابدی طور پر

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

آپ کے ممنونِ احسان رہیں گے، ہم خداوند کے پاک حضور میں دُعا کرتے ہیں کہ وہ ذاتِ بابرکات آپ کو دونوں جہان میں اِس کارِ نیک کا بدلہ عنایت فرمائے! آمین !!

ساتھ ہی ہم یہ دُعا بھی کرتے ہیں کہ پروردگار ہمیں اِسی زندگی ہی میں دوبارہ ملنے کے قابل بنا دے! اور اُس کی رحمت سے ہم نے آپ سے جو علم حاصل کیا ہے، اِس کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ "ایک حقیقت" کے صحیح جذبے کے ساتھ پوری جماعت کے مفاد کے لئے صحیح طور پر استعمال کرائے! آمین !!

آپ کے شکرگذار طالبانِ علم
مونٹریال ۶ رجون ۱۹۸۲ء